سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو (ہند) نمبر ۲۳۲

شمالی ہند میں

اردو کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر

نواب صدر الدین محمد خاں

فائزؔ دہلوی اور اُس کا دیوان

مؤلفہ و مرتبہ

سید مسعود حسن رضوی ادیبؔ ایم۔اے

صدر شعبۂ فارسی و اردو، لکھنؤ یونی ورسٹی۔ لکھنؤ

شائع کردہ

انجمن ترقیٔ اردو (ہند) دہلی

طبع اول

سنہ ۱۹۴۶ء

([illegible])

(عمدہ پریس دہلی)

پیش نامہ

نواب صدر الدین محمد خاں بہادر دہلی کے ایک امیر تھے جو اورنگ زیب کے آخری عہد سے محمد شاہ کے زمانے تک موجود تھے۔ خاندانی اعزاز اور ذاتی وجاہت کے علاوہ علم وفضل کی دولت سے بہرہ مند اور متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے فائزؔ ان کا تخلص تھا۔ اردو کے صاحب دیوان شاعروں میں ان سے زیادہ قدیم کوئی شاعر اب تک معلوم نہیں۔ کوئی بیس برس ہوئے کہ فائزؔ کا ضخیم کلیات چند روز میرے پاس رہا۔ میں نے اس کے مالک کو کچھ معاوضہ دے کر اس کا وہ حصہ نقل کر لیا جو اردو کلام پر مشتمل تھا۔ اور پورے کلیات پر نظر ڈال کر کچھ یادداشتیں لکھ لیں اور چند ضروری اقتباس لے لیے۔ کچھ دن بعد وہ کلیات اس زمانے کے مشہور ذی علم اور وسیع المعلومات صحافت نگار مرحوم سید جالب دہلوی کے قبضے میں آگیا۔ اور اب ان کی دوسری کثیر التعداد کتابوں کے ساتھ جامعۂ ملیہ اسلامیہ، دہلی کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ کلیات فائزؔ سے کچھ یادداشتیں اور چند اقتباس تو میں لے ہی چکا تھا۔ کچھ زمانے کے بعد فائزؔ کے چند رسالے دست یاب ہوئے اور ان یادداشتوں، اقتباسوں اور رسالوں کی مدد سے میں نے فائزؔ اور ان کی شاعری پر ایک مقالہ لکھا۔ جس کے بعض حصے ادبی جلسوں میں پڑھ کر سنائے۔ اس کے بعد بھی فائزؔ کی بعض تصنیفیں وقتاً فوقتاً ملتی رہیں۔

ایک مدت کے بعد یہ خیال پیدا ہوا کہ فائز کی کل تصنیفوں پر گہری نظر ڈال کر اور اس مقالے میں ضروری اضافے کر کے اسے کتاب کی صورت میں شائع کر دیا جائے اور اس کے ساتھ فائز کا اُردو دیوان بھی مع فرہنگ اور حاشیوں کے شامل کر دیا جائے۔ ابھی کام شروع ہی کیا تھا کہ گورنمنٹ آف انڈیا نے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے معائنے کے لیے ایک کمیٹی بنائی جس کا ایک ممبر میں بھی مقرر ہوا۔ مارچ ۱۹۴۳ء کے تیسرے ہفتے میں اس غرض سے دہلی پہنچا اور پانچ دن جامعہ نگر میں قیام کیا۔ اس سفر سے میری ایک دیرینہ آرزو پوری ہو گئی۔ یعنی کلیات فائز کے بالاستیعاب مطالعے کا موقع مل گیا۔ میں شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کا تہِ دل سے شکر گزار ہوں۔ اگر موصوف کی خاص عنایت نہ ہوتی تو یہ نادر نسخہ کافی مدت تک میرے پاس نہ رہ سکتا۔ اس نسخے کے حصول میں مکرمی ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب سے جو مدد ملی اس کے لیے موصوف کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

دہلی سے واپسی کے کوئی پونے دو مہینے بعد فائز کا کلیات میرے پاس پہنچ گیا اور میں نے اس کا مطالعہ شروع کر دیا۔ خیال تھا کہ دس پندرہ دن میں یہ کام ختم ہو جائے گا۔ مگر تحقیق اور تلاش کے نئے نئے راستے پیدا ہوتے گئے۔ کلیات کو بار بار پڑھنا پڑا اور دنوں کی جگہ مہینے لگ گئے۔ فائز کی دوسری تصنیفوں کا بھی حرف حرف جس غور سے پڑھا گیا ہے اس کا کچھ اندازہ کتاب کے مطالعے سے ہو جائے گا۔ مگر فائز کے خاندان کی کڑیاں جوڑنے میں جو دقتیں پیش آئیں اور اس کے لیے جتنی محنت کرنا پڑی اس کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا۔ اب جب کہ ان کے بزرگوں کا سلسلہ مل گیا ہے ان کے آبا و اجداد کے

حالات کی تلاش آسان ہو گئی ہے۔ فائز کے اُردو دیوان کی قرأت، تصحیح اور تحشیہ بھی اچھا خاصا صبر آزما کام نکلا۔ متروک اور نامانوس الفاظ کے علاوہ اس کے رسمِ خط کی بعض خصوصیتوں نے اس کا پڑھنا دشوار کر دیا تھا بڑی دیدہ ریزی اور مغز کاوی کے بعد بھی چند لفظ صحیح نہیں پڑھے جا سکے۔ اسی طرح انتہائی کوشش کے باوجود چند لفظوں کا مفہوم معلوم نہیں ہو سکا۔

فائز نے اپنے کلیات کا جو طولانی خطبہ یعنی مقدمہ لکھا ہے وہ بہت سی مفید معلومات پر مشتمل ہے اور اس سے خود فائز کی شاعری اور اُن کے معیار تنقید پر خوب روشنی پڑتی ہے اس لیے وہ خطبہ بھی اس کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے۔

چند سال ہوئے بریلی میں آل انڈیا اُردو کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کے ایک جلسے میں جو جناب پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی صاحب کی صدارت میں ہوا تھا۔ میں نے فائز پر ایک مقالہ پڑھا۔ سامعین میں دہلی کے رہنے والے ایک ذی علم، خوش وضع، خوش گفتار بزرگ تھے، جن کا اسمِ گرامی غالباً حکیم جمشید علی صاحب تھا۔ اُنھوں نے فرمایا کہ رام پور کے سرکاری کتب خانے میں فائز یا ان کے والد کی تصویر موجود ہے۔ بات دل میں پڑی رہی۔ اب جب کہ فائز کے متعلق میرا کام ختم کے قریب پہنچا تو میں نے اس تصویر کی تلاش میں کتب خانۂ رام پور کے فاضل ناظم جناب مولوی امتیاز علی صاحب عرشی سے مدد چاہی۔ موصوف نے کتب خانے کے مرقعوں کا جائزہ لے کر فائز کی تصویر ڈھونڈھ نکالی اور عالی جناب خواجہ غلام السیدین صاحب مشیر تعلیمات ریاست رام پور کی اجازت سے اس کا فوٹو کھنچوا کر مجھے بھیج دیا۔ فائز کی تصویر ملنے سے مجھ کو بہت خوشی ہوئی اور میں دل سے ان سب حضرات کا شکر گزار ہوں جنھوں نے اس کے حصول میں میری اعانت فرمائی۔

پنجاب یونیورسٹی کے قابل ریڈر ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب نے فائز کے کئی رسالوں کا پتا بتایا جو اُن کی یونیورسٹی کے کتب خانے میں محفوظ تھے اور یونیورسٹی کے اربابِ اختیار نے وہ رسالے کچھ مدّت کے لیے لکھنؤ یونیورسٹی کے کتب خانے میں منتقل کر دیے۔ میں ان حضرات کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اگر اُن کی امداد مجھے حاصل نہ ہوتی تو میں ان رسالوں کے مطالعے سے محروم اور میرا کام ناممکل رہ جاتا۔

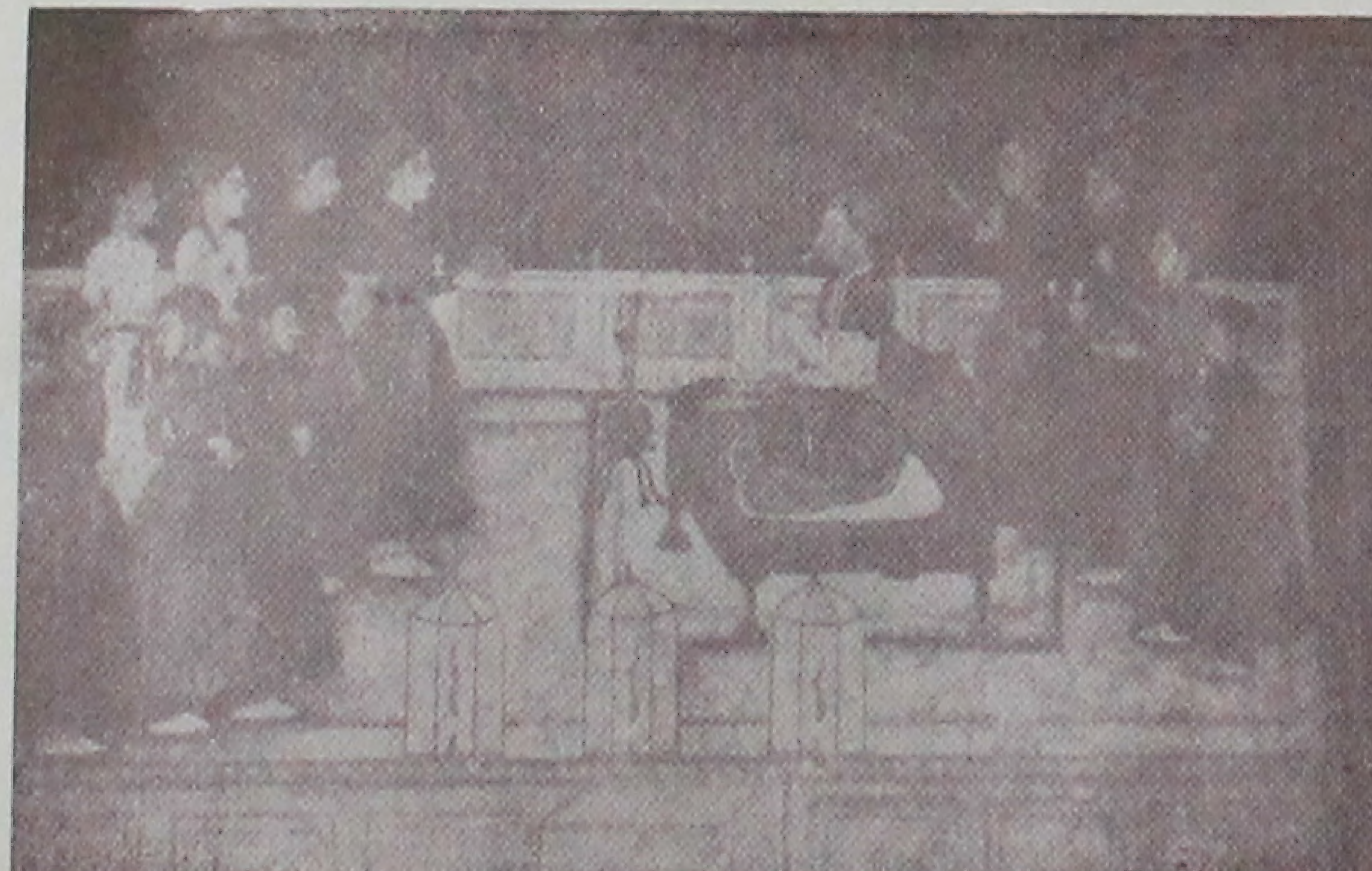
سید مسعود حسن رضوی

۱۲ر جون سنہ ۱۹۴۵ء

کتاب کی تالیف و ترتیب اور اُس کی کتابت و تصحیح کے درمیان میں بہت سا وقت گزر گیا۔ اِس تاخیر سے یہ فائدہ ہوا کہ بہت سی کام کی باتیں اور معلوم ہو گئیں۔ اِن میں سے کچھ متنِ کتاب میں شامل کر دی گئی ہیں اور کچھ مقدمۂ کتاب کے آخر میں 'ملحقات' کے عنوان سے درج کر دی گئی ہیں۔

سید مسعود حسن رضوی

۲۵ر جولائی سنہ ۱۹۴۶ء



نواب صدرالدین محمد فائز دہلوی

فائز کی تصویر

فائز دہلوی کی اصل تصویر جو ریاست رام پور کے سرکاری کتب خانے کے مرقع نمبری ۴۸۲ میں موجود ہے، اس میں فائز کا محل اور پائیں باغ بھی دکھایا گیا ہے۔ جو تصویر اس کتاب کے ساتھ شائع کی جارہی ہے وہ اسی محل کے صرف بالاخانے کا عکس ہے۔ افسوس ہے کہ پوری تصویر کا عکس مجھے نہیں مل سکا۔ اصل تصویر پر فائز کا نام یوں لکھا ہوا ہے "نواب صدرالدین محمد خان بہادر خلف نواب زبردست خان بہادر ابن نواب ابراہیم خان بہادر" اور 'اشرف علی خان' کی مہر لگی ہوئی ہے۔ کتاب خانۂ رام پور کے فاضل ناظم مولوی امتیاز علی صاحب عرشی نے اپنے ایک خط میں اس تصویر کا بیان ان لفظوں میں کیا ہے :-

"نواب صاحب اپنے محل کی بالائی منزل پر رونق افروز ہیں۔ دائیں جانب عمارت کے نیچے باغ ہے نشست تخت پر ہے پیچوان لگا ہوا ہے۔ پشت پر چار خادم، دو کے ہاتھ میں مورچھل اور دو کے ہاتھوں میں سرپوش سے ڈھکی ہوئی قابیں ہیں۔ سامنے سات خادم کھڑے ہیں، ایک کے ہاتھ میں سرپوش سے ڈھکی ہوئی قاب، دوسرے کے نیام میں رکھی ہوئی شمشیر ہے، بقیہ دست بستہ کھڑے ہیں۔ نواب صاحب کو نحیف الجثہ دکھایا ہے اور لباس وہ ہے جو محمد شاہ کے عہد میں مروج تھا"۔

جن حضرات کے توسط سے یہ تصویر حاصل ہوئی ہے اُن کا شکریہ کتاب کے دیباچے میں ادا کیا جا چکا ہے اور یہاں پھر ادا کیا جاتا ہے۔

نواب صدر الدین محمد خاں بہادر فائز دہلوی

فائز کی قدامت

شمالی ہند کے رہنے والے اُردو زبان کے جن شاعروں کا حال اب تک معلوم ہو چکا ہے۔ اور جن کا کلام معتدبہ مقدار میں دستیاب ہو چکا ہے۔ اُن میں شاید کوئی بھی اتنا قدیم نہیں ہے، جتنا فائز دہلوی۔ بعض لوگ شاہ حاتم کو دہلی میں اُردو کا پہلا شاعر قرار دیتے ہیں۔ مگر یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ حاتم کی شاعری کی ابتدا کا ذکر دو جگہ ملتا ہے۔ ایک دیوان زادہ حاتم کے دیباچے میں، دوسرے مصحفی کے تذکرہ ہندی میں۔ ان دونوں کی ضروری عبارتیں ذیل میں نقل کی جاتی ہیں :-

"از سنہ یک ہزار و یک صد و بیست و ہشت تا یک ہزار و یک صد و شصت و ہشت کہ قریب چہل سال باشد نقد عمر دریں فن صرف نمودہ.......... در شعر فارسی بہ طرز مرزا صائب و در ریختہ بہ طور ولی رحمہا اللہ اوقات خود بسر می برد و ہر دو را اُستاد می داند۔" (دیباچہ دیوان زادہ)

"روزے پیش فقیر نقل می کرد کہ در سنہ دویم فردوس آرام گاہ دیوان ولی در شاہ جہاں آباد آمدہ و اشعارش بر زبان خرد و بزرگ جاری گشتہ۔ با دو سہ کس کہ مراد از ناجی و مضمون و آبرو باشد بنائے شعر ہندی را بہ ایہام گوئی نہادہ داد معنی یابی و تلاش مضمون تازہ می دادیم۔" (تذکرہ ہندی)

ان دونوں عبارتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہی کہ حاتم ۱۱۲۸ھ سے فارسی میں شاعری کر رہے تھے - مگر جب محمد شاہی عہد کے دوسرے سال یعنی ۱۱۳۲ھ میں ولی کا دیوان دہلی آیا اور ان کا کلام ہر طبقے میں مقبول ہوا تو حاتم نے ناجی، مضمون اور آبرو کے ساتھ اُردو میں شعر کہنا شروع کیا - فائز اپنا کلیات جس میں اُردو دیوان بھی شامل ہی ۱۱۲۷ھ میں مرتب کر چکے تھے - اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہی کہ فائز کا کلیات مرتب ہو چکنے کے ایک سال بعد حاتم نے فارسی میں اور پانچ سال بعد اُردو میں شعر کہنا شروع کیا - اس طرح حاتم اور اُن کے ساتھ اُردو شاعری شروع کرنے والے تمام شاعروں پر فائز کا تقدم ثابت ہی - حاتم کے ہم عصروں میں غلام مصطفےٰ خاں یک رنگ بھی تھے - مگر معلوم ہوتا ہی کہ وہ حاتم سے بہت پہلے اُردو میں شعر کہنے لگے تھے - فائز نے اپنی ایک غزل کے مقطع میں یک رنگ کا ایک مصرع تضمین کر دیا ہی وہ مقطع یہ ہی:-

فائز کو بھایا مصرع یک رنگ ای سجن
گر تم ملوگے غیر سے دیکھوگے ہم نہیں

یہ مقطع بتاتا ہی کہ اس زمین میں یک رنگ کی غزل پہلے سے موجود تھی اور اسی غزل پر فائز نے غزل کہی ہی اور اس امر میں بھی کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ یک رنگ فائز کے ہم عصر تھے - فائز کے ایک دوسرے ہم عصر میر جعفر تھے جو زٹل یا زٹلی کی صفت کے ساتھ آج بھی مشہور و معروف ہیں - ان کا اُردو کلام کافی مقدار میں اب تک موجود ہی - مگر وہ زیادہ تر ہجو اور فحش پر مشتمل ہی - بہر حال اُردو کے سنجیدہ شاعروں میں قدامت کے اعتبار سے فائز کو ایک خاص امتیاز حاصل ہی - قدامت کے علاوہ ان کی شاعری

اپنی خصوصیتوں کی بنا پر بھی خاص اہمیت رکھتی ہے۔ ان وجوہ سے اُردو شاعری کے آیندہ مورخ فائزؔ کو نظر انداز نہ کر سکیں گے۔

فائزؔ کی تصنیفیں

صدرالدین محمد خاں فائزؔ نہایت ذی علم اور بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ ان کے متعلق ہماری تقریباً کُل معلومات اُنھیں کی تصنیفوں سے ماخوذ ہے۔ اس لیے سب سے پہلے اُن کی تصنیفوں کی فہرست ضروری تفصیلوں کے ساتھ درج کی جاتی ہے۔

۱۔ اعتقاد الصّدر۔ یہ ایک مختصر رسالہ عقائد میں ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ ۱۲۷۴ھ کا نقل کیا ہوا راقم کے پاس موجود ہے۔ ایک دوسرا قلمی نسخہ لکھنؤ یونی ورسٹی کے کتب خانے میں ہے۔ جس کے سرورق پر مصنف کی مہر لگی ہوئی ہے۔ اس مُہر میں یہ الفاظ درج ہیں۔ "صدرالدین محمد خاں ۱۱۲۲" اور سرِ صفحہ پر لکھا ہے۔ "غرّہ ربیع الثانی ۱۱۳۵ھ داخل کتاب خانہ شد" قیاس کہتا ہے کہ یہ نسخہ مصنّف کی مِلک تھا۔ اِس رسالے کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونی ورسٹی کے کتب خانے میں بھی ہے۔ اُس کے سرورق پر مصنّف اور محمد برہان الدین حسن خاں کی مُہریں پڑی ہوئی ہیں۔

۲۔ طریق الصّدر۔ یہ ایک مختصر رسالہ اصولِ دین میں ہے۔ اس کی ابتدا میں مصنف لکھتا ہے :۔

> "یکے از برادران ایمانی خواست از من کہ کلمۂ چند مختصر از اصولِ دین نگارش کنم۔ اگرچہ سابق در کتاب احیاء القلوب و اعتقاد الصّدر دریں باب آنچہ بایست نوشتہ شد۔ لیکن آں عزیز در باب اختصار و بیان عمدۂ مختلف فیہ بجد شد۔ بناءً علیہ کلمۂ چند مرّۃً بعد اولیٰ و کرّۃً بعد اُخریٰ مرقوم نمود۔۔۔
> ۔۔۔۔۔ و ایں رسالہ را بہ طریق الصّدر مسمّیٰ نمود"

اس رسالے کا ایک نسخہ سید جالب مرحوم کے ذخیرۂ کتب میں شامل اور جامعہ ملّیہ اسلامیہ دہلی کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ اس کے سرورق پر محمد برہان الدین حسن خاں کی مہر لگی ہوئی ہے اور خاتمے پر یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں :" تمام شد ۲۰ رجادی الثانی ۱۲۳۷ھ ہجری"

۳۔ صراط القدیرؔ۔ اس رسالے کا موضوع بھی وہی ہے جو اوپر کے دو رسالوں کا ہے۔ اُس کی تمہیدی عبارت ذیل میں نقل کی جاتی ہے :-

"احقر عباد دراصول دین چند رسالہ مثل اعتقاد القدیرؔ و طریق القدیرؔ وغیرہ تالیف نمودہ۔ لیکن عبارات آں رسالہا فی الجملہ دقیق بود۔ بناءً علیہ بہ التماس عزیزی بہ طریق اختصار وایجاز کلمۂ چند دریں رسالہ کہ مسمّیٰ بہ صراط القدیرؔ است تحریر نمود ۔"

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ فائزؔ نے اصول دین پر کئی رسالے لکھے تھے جن میں سے تین کے نام اپنے نام کی رعایت سے اعتقاد القدیرؔ، طریق القدیرؔ اور صراط القدیرؔ رکھے تھے۔ اس رسالے کا ایک قلمی نسخہ میرے کتب خانے میں ہے۔ جو اعتقاد القدیرؔ کے ساتھ ۱۲۱۷ھ میں نقل کیا گیا تھا اور ایک نسخہ لکھنؤ یونی ورسٹی کے کتب خانے میں ہے۔ جس کے سرورق پر دو مہریں لگی ہوئی ہیں۔ ایک مصنف کی جیسی کہ اعتقاد القدیرؔ کے سرورق پر ہے اور دوسری محمد برہان الدین حسن خاں کی اور یہ الفاظ بھی درج ہیں "چہارم صفر داخل کتاب خانہ شد" یہ نسخہ بھی مصنف کی ملک معلوم ہوتا ہے۔ اس نسخے کے خاتمے پر لکھا ہے " بہ تاریخ غرۂ شہر محرم الحرام در پرگنہ سیالکوٹ قلمی شد ۔"

اِس رسالے کا ایک نسخہ پنجاب یونی ورسٹی کے کتب خانے میں بھی ہے۔

۴ - **معارف الصّدُر** - اِس رسالے میں وہ حدیثیں معتبر کتابوں سے اخذ کر کے جمع کر دی گئی ہیں جو "احوال حضرت صاحب الامر" پر دلالت کرتی ہیں - یہ رسالہ ایک مقدّمے، چھ لمعات اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے۔ اِس کا جو قلمی نسخہ پنجاب یونی ورسٹی کے کتب خانے میں ہے وہ مصنّف کی مِلک تھا - اُس کے سرورق پر 'صدرالدین محمد خاں' اور 'محمد برہان الدین حسن خاں' کی مُہریں لگی ہوئی ہیں اور یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔

"غرّہ جمادی الثانی داخل کتاب خانہ شد۔"

۵ - **تبصرۃ الناظرین** - رویت باری تعالیٰ کا نزاعی مسئلہ اِس مختصر رسالے کا موضوع ہے - اشاعرہ رویت کے قائل ہیں اور معتزلہ منکر۔ اِن دونوں فریقوں کی دلیلیں اِس رسالے میں جمع کر دی گئی ہیں تاکہ اُن پر غور کر کے لوگ اِس مسئلے میں صحیح رائے قائم کر سکیں - اِس رسالے کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونی ورسٹی کے کتب خانے میں موجود ہے - اُس کے سرِ ورق پر مصنّف کی مُہر پڑی ہوئی ہے اور یہ عبارت درج ہے۔ "داخل کتاب خانہ شد - ۱۱ محرم الحرام ۱۲۳۵ھ۔" یہ رسالہ بھی مصنّف کی مِلک تھا۔

۶ - **احزان الصّدور** - یہ ڈیڑھ سو صفحے کی کتاب ہے - مصائب انبیا اور واقعاتِ کربلا اِس کا موضوع ہے - اِس کا دیباچہ کئی حیثیتوں سے اہمیت رکھتا ہے - اِس لیے یہاں من و عن نقل کیا جاتا ہے :-

"امابعد چنیں گوید احقر انام کلب امیرالمومنین و عترت طاہرین صدرالدین محمد خاں بن زبردست خاں غفر اللہ

ذنوبہا یوم المیزان کہ در ایام عاشورا جمیع محبانِ اہلبیت تعزیہ می گیرند و کتب تاریخ کہ مشتمل بر جور و ستم اعدائے دین است بہ مطالعہ می آرند تا بہ وسیلۂ آں مغموم و مہموم شوند۔ بنا برآں بہ خاطرِ قاصر رسید کہ خلاصۂ مضمون آں عباراتِ جاں سوز و مختصر آں کلماتِ غم اندوز تحریر نماید۔ ہرچند دریں مقدمہ بہ قدر حال ہر یک از جگر سوختگان وادی غموم رسالہا مرقوم نمودہ لیکن بہ وسیلۂ خواندن آں مطالب حسنۂ عظیم برائے محرّر اوراق ثبت می گردد خواست کہ بہ فحوائے "الدال علی الخیر کفاعلہ" داخل ایں ثواب گردد۔ واگرچہ در کتب حدیث بعض اُمور را مثل احوال حضرت شہر بانو و حضرت قاسم و پسران مسلم وغیرہ نوع دیگر نوشتہ اند، لیکن چوں ایں قصّہ ہا موجب گریہ است واصل دریں باب ہمیں است، بنا برآں متابعت ارباب سیر نمودہ شد۔ وایں رسالہ مسمّیٰ بہ احزان الصدور مشتمل است بر دہ اندوہ۔ امید کہ باعث حزن و بکا و دخولِ جنّتِ مومنین گردد کہ "من بکیٰ علی الحسین او تباکیٰ وجبت لہُ الجنۃ۔"

یہ کتاب عشرۂ محرم کے مجالس عزا میں پڑھنے کے لیے 'دہ مجلس' کے طور پر لکھی گئی ہے، اس لیے دس حصّوں میں تقسیم کردی گئی ہے جن کو مصنف اندوہ کے نام سے یاد کرتا ہے۔ ان کی فہرست حسب ذیل ہے:۔

اندوہ اوّل۔ احوال انبیا۔ اندوہ دوم۔ احوال حضرت خیرالبشر۔ اندوہ سیوم۔ احوال حضرت سیدۃ النسا۔ اندوہ چہارم۔ احوال حضرت

امیر المومنین۔ اندوہ پنجم۔ احوالِ حضرت امام حسن۔ اندوہ ششم۔ احوالِ مسلم بن عقیل۔ اندوہ ہفتم۔ احوالِ فرزندانِ مسلم بن عقیل۔ اندوہ ہشتم در قضائے چند از احوالِ شاہِ شہدا و بیان ثواب گریہ در ماتم آں حضرت۔ اندوہ نہم۔ در واقعہ کربلا و جورِ منافقان و شہادتِ آں امام مظلوم مقتول۔ اندوہ دہم۔ در بیان اُمورے کہ بر اہل بیت و عترتِ آں حضرت بعد شہادت پیش آمد تا بردن بہ شام پیشِ یزید۔

اندوہ اوّل کی تمہید میں مصائبِ انبیا کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:-

"و از جملہ واقعہ ہا صعب ترین وقائع واقعۂ شہدائے کربلاست کہ ہیچ دیدہ بدیں گونہ مصیبتے ندیدہ و ہیچ گوش ازیں نوح بلیّتے نشنیدہ۔ وازیں جاست کہ محبان اہل البیت ہر سال کہ ماہ محرم در آید مصیبت شہدا را تازہ سازند و بہ تعزیت اولاد صدرِ رسالت پردازند۔ ہمہ را دل بر آتش حسرت بریاں و دیدہ ہا از غایت حیرت گریاں۔"

اِس کتاب کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونی ورسٹی کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اُس کے سرورق پر مصنف کی مُہر پڑی ہوئی ہے اور یہ عبارت درج ہے۔ "بتاریخ غُرّۂ جمادی الثانی سنہ ۱۱۲۵ھ داخل کتاب خانہ شد۔"

احزان الصّدور کے اقتباس جو اوپر نقل کیے گئے ہیں اُن کے دو جملے "در ایّام عاشورا ...... تعزیہ می گیرند" اور "محبانِ اہل البیت ...... بہ تعزیت اولاد صدر رسالت پردازند۔" بتاتے ہیں کہ اُس زمانے میں عشرۂ محرّم میں عزاداری عموماً اور معمولاً ہوا کرتی تھی۔

۷۔ احیار القلوب ۔ یہ ڈیڑھ سو صفحے کی کتاب پیغمبر اسلام کے حالات میں ہے۔ اس میں تئیس مقالے اور ایک طولانی خاتمہ امامت کے بیان میں ہے۔ اس کے مختصر دیباچے کا ضروری حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

"چنیں گوید اضعف عباد صدرالدین محمد ابن زبردست خاں غفر اللہ ذنوبہما کہ بہ خاطر قاصر رسید شمۂ از احوال حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و بعض امور دیگر کہ مناسب بداں باشد تحریر نماید۔ بناءً علیہ مقالۂ چند از روئے کتب حدیث و سیر بمقتضی خیر الامور ما قل و دل بہ قید تحریر در آورد و تالیف نمود و مسمیٰ بہ احیار القلوب کرد"

اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ لکھنؤ یونیورسٹی کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اس کے سرورق پر مصنف کی وہی مہر لگی ہوئی ہے جس کا اعتقاد القدور اور صراط الصدور کے نسخوں کے سلسلے میں ذکر ہو چکا ہے اور لکھا ہے۔ "غرۂ شہر رجب داخل کتاب خانہ شد" یہ نسخہ بھی غالباً مصنف کی ملک تھا۔

۸۔ رسالۂ مناظرات ۔ یہ رسالہ سات مجلسوں پر مشتمل ہے۔ ہر مجلس میں فائز نے محمد شاہی عہد کے امیر الامرا صمصام الدولہ خاں دوران خان بہادر کے یہاں اپنا جانا اور کسی نزاعی مذہبی مسئلے پر مناظرہ کرنا بیان کیا ہے۔ اس رسالے کا ایک قلمی نسخہ جو ۱۲۷۶ھ میں نقل کیا گیا تھا۔ راقم کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اس نسخے پر اس کا نام رسالۂ منظرات لکھا ہوا ہے۔ لیکن یہ غالباً کاتب کا سہو قلم ہے۔ رسالے کے مندرجات سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس کا نام رسالۂ مناظرات ہوگا۔ اس نسخے کی ابتدا میں عنوان کے طور پر یہ عبارت درج ہے :-

" رفتنِ جدِّ مرحوم و مغفور نواب صدر الدین محمد خاں بہادر بہ ملاقات
نواب خان دوراں خان بہادر و احوال آں "

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نسخے کا کاتب اور مالک فائز کے اخلاف میں سے تھا۔ ریاست رام پور کے سرکاری کتب خانے میں بھی اس رسالے کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے جس کے سرورق پر "رسالہ بحث" اور پہلے صفحے پر "رسالہ منظرات" لکھا ہوا ہے۔ دونوں جگہ کاتب نے ایک ایک الف حذف کر دیا ہے۔ حقیقت میں اُس کو رسالۂ مباحث اور رسالۂ مناظرات لکھنا چاہیے تھا۔ اس نسخے میں عنوان کی عبارت زیادہ تفصیلات کی حامل ہے۔ اس لیے ذیل میں نقل کی جاتی ہے:-

" در بیان رفتنِ جدِّ مغفور نواب صدر الدین محمد خاں بہادر
نبیرۂ نواب علی مردان خاں بہادر فیروز جنگ امیر الامرائے
ہندوستان بہ ملاقات صمصام الدولہ امیر الامرا نواب خان
دوران خان بہادر مرحوم و احوال آں کہ خود شان نوشتہ اند "

آغاز کتاب کے لیے بسم اللہ جو لکھی گئی ہے اس کے اوپر یہ عبارت کسی دوسرے شخص نے لکھ دی ہے۔ اس نسخے کے سرورق پر مصنف کی مہر لگی ہوئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ پہلے مصنف کی ملک تھا۔ لیکن ان کے انتقال کے بعد ان کے اخلاف میں سے کسی کے قبضے میں آگیا تھا۔

امیر الامرا کی مجلسِ علمی

رسالہ مناظرات میں سات مجلسوں کا ذکر ہے۔ ان میں سے چار مجلسیں رات کے وقت واقع ہوئیں، جن میں امیر الامرا شریک تھے، اور ایک دن کے

آخری حصے میں۔ اُس وقت امیرالامرا محل کے اندر تھے - دیوان خانے میں دوسرے لوگ موجود تھے ۔ اُن میں اور فائز میں مذہبی مناظرہ ہونے لگا۔ یہاں تک کہ مغرب کی نماز کا وقت آگیا اور فائز اپنے گھر واپس آ گئے۔ اس وقت تک امیرالامرا محل سے برآمد نہیں ہوئے تھے۔ دو مجلسوں کا وقت نہیں بتایا گیا ہے مگر ان دونوں میں بھی امیرالامرا موجود تھے۔ ان سات مجلسوں میں سے پانچ میں فائز نے طالب علموں کا مجمع دکھایا ہے ان کے الفاظ یہ ہیں :-

"جمعے از طالب علمان نشستہ از ہر باب گفتگو می نمودند
بہ دستورِ سابق جمعے از طالب علمانِ پوربی و پنجابی جمع بودند"
" طالب علماں در قال و قیل بودند"۔ "بہ دستور طالب علماں
را در قال وقیل یافتم"۔ "بہ دستور قال وقیلِ طالب علماں
درمیاں بود"۔

فائز نے ان مجلسوں کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امیرالامرا کے یہاں روز شام کو طالب علموں کا مجمع ہوتا تھا۔ اور علمی و مذہبی گفتگو ہوا کرتی تھی جس میں امیرالامرا خود بھی شریک رہتے تھے - علامہ آزاد بلگرامی خزانۂ عامرہ میں انھیں امیرالامرا کے متعلق لکھتے ہیں :-

" باعلم و علما سرے داشت - دانش مندانِ جید فراوان
جمع کردہ درخورِ مرتبۂ ہر کدام رعایت می نمود و ہر شب بعد
نمازِ مغرب تا نیم شب در حضورِ او مجلسِ فضلا انعقاد می یافت و
مباحثِ علمی درمیان می آمد"

فائز کے بیانات سے امیرالامرا کے یہاں کی مجلسِ علمی کے متعلق

جو جو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ان سب کی تصدیق علامہ آزاد کی اس تحریر سے ہوجاتی ہی۔ صرف ایک قابلِ لحاظ فرق رہ جاتا ہی کہ علامہ آزاد جن لوگوں کا ذکر فضلا کے لفظ سے کرتے ہیں۔ فائز ان کو بار بار طالب علم کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان دونوں بیانوں میں بہ ظاہر اختلاف معلوم ہوتا ہی مگر حقیقت یہ ہی کہ فائز نے بعض دوسرے موقعوں پر بھی لفظ طالب علم کو عالم یا ذی علم کے معنی میں استعمال کیا ہی۔ ان عالموں یا طالب علموں میں سے دو کے نام بھی فائز نے لیے ہیں۔ ایک واسع خاں۔ دوسرے ملا امان اللہ ساکن خطہ۔ واسع خاں کا ذکر بار بار آیا ہی۔ مذہبی مباحثوں میں وہ سب سے آگے رہتے تھے۔

۹۔ **انیس الوزرا** ۔ یہ محقق طوسی کی مشہور کتاب اخلاقِ ناصری کا خلاصہ ہی۔ اس کا ایک قلمی نسخہ میرے کتب خانے میں موجود ہی۔ اس کے دیباچے کا ایک حصہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہی جس میں اس کا سبب تالیف بیان کیا گیا ہی :۔

> "چنیں گوید احقر عباد صدرالدین محمد خاں ابن زبردست خاں ابن علی مردان خاں کہ روزے در مجمع دوستاں کہ اکثرے ازآنہا طالب علم وشاعر نکتہ سنج بودند مذکور تہذیب اخلاق کہ بہترین صفات انسانیت است بلکہ انسانیت بدون آں ممکن ومتصور نیست درمیان بود۔ در اثنائے آں حال ومقال فقیر گفت کہ درمیان این امور بہترین رسالہ ہا اخلاق ناصری است . . . . درجواب گفتند کہ فہمیدن معانیِ آن کتاب اشکال تمام دارد۔ مگر آن کہ کسے خلاصہ مضمون آن را بہ عبارتے

واضح بہ قید تحریر درآورد و ہمگنان متفق اللفظ والمعنی
تعہید ایں امر خطیررا بہ جانب ایں قلیل البضاعت نمودند۔
ہر چند اعراض نمود قبول نیفتاد۔ لا علاج باتشتت احوال و
ضیق مجال و ہجوم آلام و تفرع بال و ضعف دماغ کمر ہمت
برایں مہم بست . . . . وچوں تفہیم ایں معنی ارباب
دول سیما وزرا را حاجت بیش تر است مسمّی بہ انیس الوزرا نمود۔"

اس عبارت میں" اخلاق ناصری است" کے بعد اس کتاب اور اس کے مصنف دونوں کی بہت طولانی تعریف عربی فقروں میں کی گئی ہے۔ جس کو میں نے بے ضرورت سمجھ کر چھوڑ دیا ہے۔

فائز نے اس خلاصے میں اصل کتاب کی توضیحی عبارتیں حذف کردی ہیں اور ضروری عبارتیں تقریباً لفظ بہ لفظ لے لی ہیں۔ انیس الوزرا بائیس تعلیموں میں تقسیم کی گئی ہے۔ گیارھویں تعلیم میں چھ 'فن' بارھویں میں پانچ، تیرھویں اور چودھویں تعلیم میں چار چار، پندرھویں تعلیم میں دو اور بائیسویں تعلیم میں بارہ 'فن' شامل ہیں اور آخر میں 'خاتمہ' ہے۔ کتاب کے ان سب حصوں کے عنوان عربی میں ہیں۔ یہ خلاصہ اخلاق ناصری کے مقالہ اول قسم اول کی فصل دوم سے شروع ہوتا ہے۔ یعنی نفس ناطقہ کی تعریف سے اس کی ابتدا ہوتی ہے۔

۱۰۔ ارشاد الوزرا۔ ایلیٹ اور ڈاؤسن کی مشہور کتاب ہسٹورینز ہسٹری آف انڈیا[1] میں ایرانی مورخ خواندمیر کی تصنیف

---

[1] Historians History of India by Elliot and Dowson Vol IV P. 148

دستور الوزرا کے بیان میں لکھا ہے کہ بعد کو اسی موضوع پر ایک اس سے چھوٹی کتاب ارشاد الوزراء کے نام سے صدر الدین محمد ابن زبردست خان نے ہندوستان میں محمد شاہ کے عہد میں لکھی۔ اُس کتاب میں ہندوستان کے وزیروں کے حالات بھی ہیں جو دستور الوزرا میں شامل نہیں ہیں۔ مگر وہ کتاب بہت مختصر ہے۔ اُس کا ایک نسخہ لکھنؤ میں فرح بخش کے شاہی کتب خانے میں تھا۔

لندن میں برٹش میوزم کے کتب خانے میں ارشاد الوزرا کا ایک قلمی نسخہ محفوظ ہے۔ اِس کتب خانے کی فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس کتاب میں مشہور وزیروں کے مختصر حالات درج ہیں۔ کتاب بارہ مقالوں پر مشتمل ہے۔ مقالۂ اوّل میں عقلائے قدیم یعنی فیثاغورث، جاماسپ، سقراط، افلاطون، ارسطو وغیرہ کا ذکر ہے اور یہ لوگ گشتاسپ، بہمن، ہمائے، دارا، اور دوسرے بادشاہوں کے وزیروں کی حیثیت سے پیش کیے گئے ہیں۔ بقیّہ مقالوں میں حسب ذیل مسلمان بادشاہوں اور شاہی خاندانوں کے نامی وزیروں کا ذکر ہے:۔

بنی اُمیّہ، بنی عباس، آل سامان، سلاطین غزنوی، آل بویہ، سلاطین سلجوقی، خوارزم شاہی خاندان، چنگیز خاں اور اُس کے جانشین، آل مظفر اور غوری خاندان، تیمور، ہندوستان کے تیموری یعنی مغل بادشاہ۔

ارشاد الوزرا کا جو نسخہ برٹش میوزیم میں ہے وہ آخر سے کم ہے۔ اُس میں آخری حال جہاندار شاہ کے وزیر ذوالفقار خاں ابن اسد خاں کا ہے[1]۔

(حاشیہ صفحہ ۲۰ پر)

۱۱- نجم القدر - اس رسالے کا موضوع علم ہیئت کا ایک شعبۂ معرفتِ تقویم ہے، جس کو مصنف "اول مرتبۂ تحصیل نجوم" قرار دیتا ہے - بعض اور اُمور متعلقہ کا بیان بھی ہے جن کی اکثر ضرورت پڑتی ہے - اس رسالے کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونی ورسٹی کے کتب خانے میں موجود ہے - وہ نسخہ مصنف کی مِلک تھا - اُس کے سرورق پر خود مصنف اور محمد برہان الدین حسن خاں کی مُہریں لگی ہوئی ہیں اور یہ عبارت درج ہے:-

"۲۰ ربیع الثانی ۱۲۳۵ھ داخل کتاب خانہ شد۔"

۱۲- تحریر القدر - اس مختصر رسالے میں مبتدیوں کو حساب کے ضروری قاعدے بتائے گئے ہیں اور یہ علامہ شیخ بہاء الدین عاملی کی کتاب پر مبنی ہے - اس رسالے کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونی ورسٹی کے کتب خانے میں محفوظ ہے - اُس کے سرورق پر مصنفِ رسالہ اور محمد برہان الدین حسن خاں کی مُہریں پڑی ہوئی ہیں اور لکھا ہے "رسالۂ تحریرات در علم حساب۔"

۱۳ - رسالۂ مالیخولیا معروف بہ بنطاسیا - اس رسالے میں مرض مالیخولیا کے اقسام، اسباب، علامات اور علاج کا بیان ہے - اس کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونی ورسٹی کے کتب خانے میں موجود ہے - اُس کے سرورق پر مصنف کی مُہر پڑی ہوئی ہے اور رسالے کے نام کے نیچے 'جلد چہاردہم' لکھا ہوا ہے - معلوم نہیں کہ اس سے کیا مُراد ہے۔

---

۱ (فٹ نوٹ صفحہ ۱۹) Catalogue of Persian Manuscripts in the British Museum Library, Vol. I pp. 338.339.

۱۴۔ ہدایۃ الصّدُر۔ اس مختصر رسالے میں علم قیافہ کا بیان ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونی ورسٹی کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ اس کے سرورق پر مصنف کی مُہر ہے اور یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔ "غُرّہ جمادی الثانی ۱۱۳۵ھ داخل کتاب خانہ شد" یہ نسخہ مصنف کی مِلک تھا۔

۱۵۔ زینۃ البساتین۔ یہ رسالہ باغبانی اور کاشتکاری کے فن میں ہے اور اس کی تالیف میں شفا، منہاج، ذخیرہ، کناس یوحنا، عجائب المخلوقات، تقویم الصحہ، آثار اخبار رشیدی اور فلاحت کی کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونی ورسٹی کے کتب خانے میں ہے۔ اُس کے سرورق پر محمد برہان الدین حسن خاں کی مُہر پڑی ہوئی ہے۔

۱۶۔ تحفۃ الصّدُر۔ اس رسالے میں مقدّمے اور خاتمے کے علاوہ بیس فصلیں ہیں، جن میں سے سترہ فصلوں میں گھوڑے کے متعلق ہر طرح کی معلومات اور اس کے مختلف مرضوں کے علاج درج ہیں اور آخری تین فصلوں میں سے ایک میں گدھے اور خچر کا ایک میں اونٹ کا اور ایک میں ہاتھی کا بیان ہے۔ اس رسالے میں جگہ جگہ ایسے ذکر آگئے ہیں جن سے فائز اور ان کے والد کے حالات پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔

اس رسالے پر لفٹنٹ کرنل ڈی، سی فلٹ (D.C. Phillott) نے انگریزی میں حاشیے لکھ کر اُس کو اشاعت کے لیے مرتب کیا اور ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نے اُس کو بیپٹسٹ مشن پریس میں چھپوا کر

سنہ ۱۹۱۱ء میں شائع کیا۔ اِس مطبوعہ نسخے کے سرورق پر اُس کا نام فرس نامہ اور اُس کے مصنف کا نام 'زبردست خاں' لکھا ہے۔ مگر اُس کے دیباچے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رسالہ موضوع کے اعتبار سے تو 'فرس نامہ' کہا جا سکتا ہے۔ لیکن مصنف نے اِس کا نام تحفۃ الصّدر رکھا ہے۔ مصنف کے نام میں غلطی ہو جانے کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے دیباچے میں اپنے باپ کا نام پہلے اور اپنا نام بعد کو یوں لکھا ہے "عاصی پر معاصی قلیل البضاعت ابن زبردست خاں قدس اللہ روحہ المخاطب بہ صدرالدین محمد خاں غفراللہ ذنوبہ۔" اگر فِلڈٹ صاحب ان لفظوں پر ذرا سا غور کرتے تو اُن کی سمجھ میں آ جاتا کہ اِس رسالے کے مصنف صدرالدین محمد خاں ہیں اور اِس کی تصنیف کے وقت اُن کے والد زبردست خاں کا انتقال ہو چکا تھا۔

تحفۃ الصّدر کے اِس ایڈیشن کا پیش نامہ سر آشوتوش مکرجی نے لکھا ہے۔ انھوں نے بھی بیٹے کی تصنیف باپ کی طرف منسوب کر دی ہے۔ اور لکھا ہے کہ ریو (Rieu) نے اپنی فہرست کتب میں ایک 'زبردست خاں' کا ذکر کیا ہے جو ابراہیم خاں کے بیٹے اور ارشادالوزرا کے مصنف تھے۔ مگر یہ بے چارے ریو پر ایک اتہام ہے۔ اس نے زبردست خاں کا کچھ حال تو ضرور لکھا ہے لیکن ارشادالوزرا کو اُن کی نہیں بلکہ اُن کے بیٹے صدرالدین محمد کی تصنیف بتایا ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔

۱۷۔ رقعات الصّدر۔ فائز نے اپنے خطوں کا ایک مجموعہ مرتب کر کے رقعات الصّدر اس کا نام رکھا تھا۔ اُس میں سے ایک موجودہ منتخب خطوں کا مجموعہ منتخب رقعات الصّدر کے نام سے کلیاتِ فائز کے موجودہ نسخے میں شامل تھا۔ مگر اب وہ خطبۂ کلیات کے ساتھ علیحدہ جلد میں

بندھا ہوا جامعۂ ملیۂ اسلامیہ دہلی کے کتب خانے میں موجود ہے۔ یہ خط اپنی نوعیت کے لحاظ سے دس فصلوں میں تقسیم کر دیے گئے ہیں۔ ان میں سے نویں فصل میں وہ خط ہیں جن میں مختلف صنعتیں استعمال کی گئی ہیں اور دسویں فصل میں وہ خط ہیں جن میں مختلف علموں کی اصطلاحوں سے کام لیا گیا ہے یا علمی مسائل سے بحث کی گئی ہے۔ رقعات سے پہلے ایک مقدمہ ہے۔ اور آخر میں "خاتمہ مشتمل بر نصیحت نامہ" ہے۔ ایک سو چودہ خطوں میں سے صرف آٹھ کے مکتوب الیہ معلوم ہیں۔ ان آٹھ خطوں میں ایک، خط میر کلاں کے نام، ایک مہابت خاں کے نام، ایک لٹو میاں کے نام، ایک حکیم الممالک کے نام اور چار حکیم مومن علی خاں کے نام ہیں۔ رقعات المقتدر کا مقدمہ کافی طولانی ہے۔ اس کی ابتدا میں مصنف اپنی اس کتاب کا تعارف یوں کرتا ہے:-

"ایں رقعاتے چند است کہ احقر انام صدر الدین محمد بن زبردست خاں غفر اللہ ذنوبہما برائے جمعے از احباب مرقوم نمودہ، چوں خالی از نکات معنویہ و مناسبات لفظی نبود دریں رسالہ جمع نمود۔ بر سبیل منشیان بلاغت نشان از طول عبارت آرائی کہ مطلب بہ چندیں فرسخ ازاں بعید می ماند اجتناب نمودہ بفحوائے خیر الکلام ما قلّ و دلّ باختصار عبارت و بیان مدعا کوشیدہ و اندک لفظی بامو قع و کنایات خفیہ لطیفہ یا مثلے مناسب و شعرے لائق محل را از دست ندادہ۔ لان الظرافۃ فی الکلام کالملح فی الطعام۔ چوں از حداثت سن ایں مستمند را میلے بہ شعر و سخن بود، گاہے متوجہ تحریر نظم و نثر می شد

بعد چندے بہ تحریک و تحریص عزیزے مشغول ترتیب آں متفرقات کہ چوں زلف دلبراں پریشان بودگشتہ مانند خاطر محبوباں جمع ساخت۔ نظم را در دیوان ونثر را دریں مجموعہ مسمیٰ بہ رقعات العقدوق منتظم ومنسلک گردانید۔"

اس مقدمے کے خاتمے پر فائز لکھتے ہیں :-

"رقعاتے چند کہ چوں رقعۂ براۃ از مدتے مدید جمع نمودہ بودم آنہا را پنبہ دوزی کردہ باہم وصل نمودم و زنگ کلفت از دل اہل طبع زدودم۔"

رقعات العقدوق کا یہ نسخہ اس قدر آب رسیدہ ہے کہ بہت مشکل سے پڑھا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ آخر سے کم بھی ہے۔ دسویں فصل کے بیس خطوں میں سے صرف گیارہ موجود ہیں۔ باقی نو خط اور خاتمہ پورا غائب ہے اس نسخے کے کاتب کوئی احمد علی ہیں اور اس کے سرورق پر محمد برہان الدین حسن خاں کی مہر لگی ہوئی ہے۔

۵۔ خطبۂ کلیات۔ یہ فائز کے کلیات کا طولانی مقدمہ ہے جس میں شاعری کے جواز وعدم جواز، شعر کی مدح و ذم، عربی و فارسی شاعری کی ابتدا، بیان و بدیع، عروض و قافیہ، مبالغہ و اغراق، اصنافِ سخن، صنائعِ شعریہ، وغیرہ کا بیان ہے۔

اس خطبے میں فائز نے شعرائے ایران کے کلام پر رائے زنی کی ہے، اپنی شاعری کے محرکات اور خصوصیات بتائے ہیں، قصیدہ گوئی سے اختلاف کیا ہے، شعر کی عظمت دکھائی ہے، اور اپنے کلیات کی ترتیب کا حال بیان کیا ہے۔ یہ خطبہ فائز کی استعدادِ علمی، وسعتِ نظر، مہارتِ فن، قدرتِ نظم اور صحتِ ذوق کا ثبوت دیتا ہے اور کئی حیثیتوں سے

بہت اہمیت رکھتا ہے۔

خطبۂ کلیات کے تین نسخے موجود ہیں۔ ایک میں جگہ جگہ ترمیم و تنسیخ کی گئی ہے۔ اُس کے سرِ ورق پر مصنف کی مُہر لگی ہوئی ہے، جس میں صرف 'صدر الدین محمد خاں' لکھا ہوا ہے، کوئی سن درج نہیں ہے۔ اِس مُہر کے نیچے ایک عبارت تھی جو اب بہت کچھ مِٹ گئی ہے۔ صرف یہ الفاظ پڑھے جاتے ہیں" بتاریخ بست و نہم...... در خانہ...... زبردست خاں...... نوشتہ شد" مصنف کی مُہر اور یہ عبارت بتاتی ہے کہ یہ نسخہ مصنف کی ملک تھا۔ اور اس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس میں جو ترمیم و تنسیخ کی گئی ہے وہ خود مصنف نے کی ہے۔ اِس نسخے کے سرورق پر دو مُہریں اور بھی ہیں۔ ایک میں 'حسین بن الرضا' اور دوسری میں 'علی بن الرضا' درج ہے۔ اسی سرورق پر ایک جگہ یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں۔" دیوان بخط جسونت رائے" اِس نسخے کا کچھ حصّہ غائب ہو گیا ہے۔ خطبۂ کلیات کا دوسرا نسخہ صاف ہے مگر اُس کا زیادہ حصّہ غائب ہے۔ تیسرا نسخہ صاف بھی ہے اور کامل بھی۔ اِس پر 'محمد برہان الدین حسن خاں' کی مُہر پڑی ہوئی ہے۔ پیشتر یہ تینوں نسخے کلیات فائز کے ساتھ منسلک تھے۔ مگر اب رقعات القدر کے ساتھ ایک علاحدہ جلد میں بندھے ہوئے ہیں، جو جامعۂ ملیہ اسلامیہ دہلی کے کتب خانے میں موجود ہے۔

۱۹- **دیوان فارسی** - فائز کے کلیات کا جو نسخہ میرے پیشِ نظر ہے اُس میں فائز کے فارسی اور اُردو دونوں دیوان شامل ہیں۔ اِس نسخے کے سرِ ورق پر "محمد برہان الدین حسن خاں" کی مُہر لگی ہوئی ہے اور اُس میں سنہ ۱۲۴۶ھ درج ہے۔ یہ برہان الدین حسن خاں کوئی بڑے علم دوست بزرگ تھے۔ انھوں نے کتابوں کا ایک اچھا ذخیرہ جمع کیا تھا۔ کوئی پندرہ سولہ برس ہوئے کہ میں نے اس علمی سرمایہ کو لکھنؤ کے نخاس میں لُٹتے دیکھا تھا۔ اس مالِ غنیمت میں سے ایسی چند کتابیں میرے بھی ہاتھ لگیں جن پر ان کے سابق مالک کی مُہر لگی ہوئی ہے۔

کُلیاتِ فائز کی تکمیل و ترتیب

فائز نے اپنے کلیات کا جو خطبہ لکھا ہے اس میں کُلیات کی

تکمیل و ترتیب کا حال یوں بیان کیا ہی:-

"مخفی نماند کہ ایں رسالہ در ابتدائے سِن شباب چناں چہ مذکور شد مرقوم شدہ بود۔ منجملہ آں اشعار منشیے داشتم کہ موافق طبع خود پارہ انتخاب کردہ بود و از روئے آں منتخب اکثر عزیزاں نقول برداشتہ بودند۔ و فقیر نظر بر آں کہ رطب و یابس در کلام می باشد ارادہ نظرِ ثانی بر آں داشت۔ لیکن تا پانزدہ سال میسر نیامد کہ اشغال دیگر درمیان بود۔ بعد از انقضائے ایں مدت در سنہ یک ہزار و یک صد و چہل و دو، فرصتے اتفاق افتاد۔ نظرِ ثانی بر آں مجموعہ کردم۔ قریب یک سال دریں کار کشید۔ آں چہ بہ عقل ناقص رسید حتی المقدور حک و اصلاح و کم و زیاد کرد۔ تا ایں رسالۂ کلیات بدیں تفصیل بر بیست و ہشت کتاب مرتب گردید۔"

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہی کہ فائز کا کلیات ان کے عنفوانِ شباب میں مکمل ہو چکا تھا اور وہ اشاعت سے پہلے اس پر نظرِ ثانی کرنا چاہتے تھے لیکن دوسرے مشاغل نے پندرہ برس تک اس کام کی مہلت نہ دی اتنی مدت گزر جانے کے بعد ۱۱۴۲ھ میں کچھ فرصت ملی اور انھوں نے تقریباً ایک سال کا وقت صرف کر کے اپنے کلام میں ترمیم و اصلاح اور کمی و بیشی کی اور اپنے کلیات کو اٹھائیس کتابوں یعنی حصوں میں مرتب کیا۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہی کہ ۱۱۴۲ھ سے پندرہ برس پہلے یعنی ۱۱۲۷ھ میں جو عہدِ فرخ سیر کا پانچواں سال تھا۔ فائز کا کلیات مکمل ہو چکا تھا۔

کلیاتِ فائز کے خطبے سے جو عبارت اوپر نقل کی گئی ہی اس میں فائز نے یہ بھی بتایا ہی کہ اُن کے ایک منشی نے ان کے کلیات میں سے کچھ اشعار

اپنی پسند کے موافق منتخب کر لیے تھے اور لوگوں نے اس انتخاب کو نقل کر لیا تھا۔ اسی سلسلے میں وہ ذرا آگے بڑھ کر کہتے ہیں کہ اگر میرے کلام کے مختلف نسخوں میں کوئی فرق یا اختلاف نظر آئے تو اس کا یہی سبب سمجھنا چاہیے مگر وہی صورت معتبر ہے جو نظرِ ثانی میں قائم رہی۔ اُن کی اصل عبارت یہ ہے:-

"اگر در عبارات نسخ تناقضے و اختلافے ظاہر شود ازیں جہت
باید دانست و معتبر ہمیں است کہ در نظرِ ثانی بحال ماندہ"

کلیاتِ فائز کی بیت شماری

اس مقام پر فائز نے کلیات کے اٹھائیس حصوں کی تفصیل لکھ دی ہے۔ میں نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔ اس لیے کہ کلیات کے پیش نظر نسخے میں فہرست مضامین کی جگہ جو بیت شماری دیوان کلیات دی ہوئی ہے اس میں ان سب حصوں یا بہ قول فائز کتابوں کے نام آ گئے ہیں اور وہ بیت شماری ذیل میں نقل کی جاتی ہے:-

شمار	نام کتاب	تعداد ابیات		شمار	نام کتاب	تعداد ابیات	
۱	خطبہ	سماصہ	۶۵۶	۸	مربع تراکیب	مامرسہ	۱۳۵
۲	قصائد	اسمامیعہ	۲۲۹۸	۹	ترکیبات	مامرسہ	۲۲۳
۳	قطعات	سماسے،	۶۰۳	۱۰	ترجیعات	مالعہ	۱۹۲
۴	غزلیات	×	×	۱۱	مفردات	امامیسہ	۲۳۲
۵	رباعیات	ماہیسہ	۲۲۸	۱۲	مراثی	سماللعہ	۳۴۴
۶	مستزاد	لعلسہ	۸۹	۱۳	بحر طویل	صہ	۵۰
۷	مخمسات	ماعصات	۲۰۲	۱۴	تسمیط	للعہ	۹۱

[illegible]

شمار	نام کتاب	تعداد ابیات		شمار	نام کتاب	تعداد ابیات	
۱۵	مثنویات بحر مولوی رومی	سمامعہ	۳۷۷	۲۲	بحرہائے غیر مشہور	ا ہ عسہ	۱۲۵ .
				۲۳	لطائف	الصمامعہ	۱۵۱۵
۱۶	مثنویات بحر شاہنامہ	لمالعہ	۷۹۶	۲۴	ہجویات	السمالعہ	۱۳۹۱
۱۷	” بحر خسرو شیریں	لمالہ للعہ	۱۴۰	۲۵	غزلیات ریختہ	اسمالہ ۵ہ	۴۵۱
۱۸	” لیلی مجنوں	صمالعہ	۵۵۱	۲۶	مثنویات ریختہ	صمانے	۵۰۳
۱۹	” بحر حدیقہ	سمامعہ	۶۷۰	۲۷	ملمعات	ہہ عسہ	۲۸
۲۰	” بحر خرنامہ	اسمالسہ	۴۳۰	۲۸	خاتمہ	مالعسہ	۱۲۹
۲۱	” سبحۃ الابرار	سمامعہ	۳۵۷			لعہ سمالعسہ	۹۳۶۴

” میزان کل سوائے غزلیات کہ در جلد علیحدہ است [illegible] ، بیت “

کلیاتِ فائز کے پیشِ نظر نسخے کی ”بیت شماری“ اسی طرح دو کالموں میں دی گئی ہے اور تعداد ابیات صرف رقم میں لکھی ہوئی ہے۔ چوں کہ اکثر لوگوں کے لیے رقم کا پڑھنا مشکل ہے اس لیے یہاں بیتوں کی تعداد ہندسوں میں بھی لکھ دی گئی ہے۔ میں نے ان رقموں کو بڑی احتیاط سے پڑھا اور بار بار جوڑا ہے۔ پہلے کالم کی میزان صحیح اور دوسرے کی ۹۳۶۴ کی جگہ ۸۱۶۴ یعنی بارہ سو بیت کم نکلتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ میزان کل ۱۵۰۰۸ کی جگہ ۱۳۸۰۸ رہ جاتی ہے۔ اس میزان میں خطبۂ کلیات کی ۶۵۶ بیتیں یعنی نثر کی سطریں بھی شامل کر لی گئی ہیں مگر فارسی غزلوں کے اشعار شامل نہیں کیے گئے ہیں اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ وہ غزلیں علیحدہ جلد میں ہیں۔ مگر کلیات کے اس نسخے میں فارسی غزلیں بھی موجود ہیں، جن کے اشعار کی تعداد تقریباً تین ہزار ہے اور ”ترک“ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حصۂ غزلیات میں

آخر کے کچھ ورق غائب ہیں۔ بیت شماری میں مراثی کے ۴۴۳ شعر دکھلائے گئے ہیں۔ لیکن کلیات کے اس نسخے میں کوئی مرثیہ موجود نہیں ہے اسی طرح ہجویات جو ۱۳۹۱ بیتوں میں تھیں اس نسخے میں بالکل نہیں ہیں

بیت شماری کے بعد تفصیل مندرجات ہے اور اس کے بعد مثنویوں کی دو تفصیلی فہرستیں ہیں۔ پہلی فہرست میں انھیں مثنویوں کے نام ہیں جو اس نسخے میں موجود ہیں مگر دوسری فہرست میں ان کے علاوہ انتیس فارسی مثنویوں کے نام اور ملتے ہیں جو اس نسخے میں موجود نہیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلیات کے اس نسخے میں فائز کا کل کلام شامل نہیں ہے اس کے مندرجات کی تفصیل جس سرخی کے ماتحت درج کی گئی ہے اس سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے وہ سرخی یہ ہے :-

"تفصیل آنچہ دریں دیوان منتخب کلیات است بموجب
ایں جدول است۔"

اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ فائز کا پورا کلیات نہیں ہے بلکہ منتخب کلیات ہے جس کو دیوان قرار دیا ہے۔

۲۔ دیوانِ ریختہ۔ فائز کے کلیات میں اُن کے فارسی دیوان کے ساتھ اردو دیوان بھی شامل ہے مگر قرینہ کہتا ہے کہ ان کا اُردو دیوان کلیات سے علیحدہ بھی شائع ہوا تھا۔ منشی کریم الدین نے اپنے تذکرے طبقات شعرائے ہند میں فائز کا نام اور ولدیت بتانے کے بعد لکھا ہے:

"اس نے ایک دیوان غزلیات اور قصیدہ اور چھ مثنویات کا لکھا ہے۔ ایک مثنوی بیان پنگھٹ اور دوسری جوگن، تیسری مالن، چوتھی گوجری، پانچویں بھنگیرن، چھٹی رُتے میں۔"

فائز نے فارسی میں چھوٹی بڑی کوئی سو مثنویاں لکھی ہیں لیکن کریم الدین نے صرف چھ مثنویوں کا ذکر کیا ہی جو سب کی سب اُردو میں ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہی کہ انھوں نے فائز کا جو دیوان دیکھا تھا وہ صرف اُردو کلام پر مشتمل تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ فارسی کلام کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے جو مقدار میں اُردو کلام کا پندرہ سولہ گُنا ہی۔

فائز کے اُردو کلام کی مقدار

فائز کے اُردو دیوان کے جس نسخے کا ذکر مولوی کریم الدین نے کیا ہی اس میں غزلیات و مثنویات کے علاوہ قصیدہ یا قصیدے بھی تھے مگر اس کا جو نسخہ میرے پیشِ نظر ہی اس میں کوئی قصیدہ نہیں ہی۔ معلوم ہوتا ہی کہ فائز کے موجودہ فارسی دیوان کی طرح اُن کے اُردو دیوان میں بھی ان کا کل کلام شامل نہیں ہی۔ اس بات کا ایک کھلا ہوا ثبوت اور بھی ہی۔ کریم الدین نے جن چھ مثنویوں کا ذکر کیا ہی اُن میں سے ایک کا موضوع مالن اور ایک کا گوجری تھا۔ یہ دونوں مثنویاں اس نسخے میں موجود نہیں ہیں۔ اس سلسلے میں یہ بتا دینا ضروری ہی کہ میرے اس نسخے میں جہاں چند چیزیں کریم الدین کے نسخے سے کم ہیں وہاں گیارہ نظمیں زائد بھی ہیں۔ ان میں نو مثنویاں ہیں ایک مخمس ترجیع بند اور ایک بحرِ طویل۔

کلیات فائز کی 'بیت شماری' سے معلوم ہوتا ہی کہ اس میں غزلیات ریختہ کے ۱۵۰۴ شعر اور مثنویات ریختہ کی ۵۰۳ بیتیں شامل تھیں۔ مگر حقیقت میں اس میں غزلوں کے صرف ۱۰۷۶ شعر اور مثنویوں کی ۳۶۷ بیتیں ہیں۔ غزلوں کے شعروں کی کمی کا سبب یہ ہی کہ ان کے درمیان میں دو جگہ سے کچھ ورق غائب ہو گئے ہیں، جیسا کہ ترکے پر نظر کرنے سے صاف

ظاہر ہوتا ہے مگر یہ نہ معلوم ہوسکا کہ مثنویوں کی بیتیں کیوں کر گم ہوگئیں بہرحال فائز کا موجودہ اردو دیوان اُن کے کل اُردو کلام پر مشتمل نہیں ہے۔ اس کے پیشِ نظر نسخے میں اٹھائیس مکمل غزلیں ، چار غزلوں کے ایک ایک دو دو شعر، ایک مخمس ترجیع بند ، ایک بحر طویل اور تیرہ مثنویاں شامل ہیں۔

واضح ہو کہ کلیاتِ فائز میں فارسی غزلیں ، ردیف وار درج ہیں لیکن اردو غزلوں میں کوئی ترتیب ملحوظ نہیں رکھی گئی ہے غالباً تعداد کی کمی کے باعث اس کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

فائز کی تالیف انیس الوزرا کا جو نسخہ میرے کتب خانے میں ہے اس کے سرورق پر ان کے رسالوں کی فہرست دی ہوئی ہے جو یہاں بجنسہٖ نقل کی جاتی ہے :-

" ۱ انیس الوزرا در اخلاق ۲ تبصرۃ الناظرین در کلام
۳ طریق الصدر در کلام ۴ فوائد الصحت در حکمت۔
۵ نجم الصدر در نجوم ۶ ہدایۃ الصدر در علم قیافہ۔
۷ احزان الصدر در تاریخ ۸ منتخب الصدر تاریخ۔"

ان آٹھ رسالوں میں سے چھ کا ذکر اوپر کیا جاچکا ہے۔ صرف دو یعنی فوائد الصحت اور منتخب الصدر کے متعلق تفصیلی معلومات حاصل نہیں ہوسکی۔ اس طرح فائز کی چھوٹی بڑی بائیس تصنیفوں کا علم ہوچکا ہے، جن میں سے انیس میری نظر سے گزر چکی ہیں، ایک کا تفصیلی حال دوسرے معتبر مصنفوں نے بتایا ہے اور دو کے صرف نام اور موضوع معلوم ہوئے ہیں۔

فائز کے آبا و اجداد

فائز اپنی ہر تصنیف میں اپنا نام صدرالدین محمد اور اپنے والد کا نام زبردست خاں ضرور لکھتے ہیں۔ انیس الوزرا میں انھوں نے اپنے دادا کا نام بھی بتایا ہے

جو علی مردان خاں ہی اس مختصر نشان دہی پر تاریخ کی کتابوں کی سیر کی تو معلوم ہوا کہ فائز ایک عالی خاندان ، ذی عزت اور خوش حال آدمی تھے - اُن کے بزرگ کئی پشتوں سے ایران اور ہندوستان میں بڑے بڑے منصبوں پر فائز ہوتے چلے آتے تھے۔ اس طرح عزت اور دولت ان کو ورثے میں ملی تھی -

فائز کے دادا کا دادا گنج علی کُرد قوم سے تھا - ایران کے صفوی بادشاہ شاہ عباس ماضی کے لڑکپن میں وہ اُس کے پاس ملازم تھا اس نے شاہزادے کی اتنی خدمت کی کہ جب وہ بادشاہ ہوا تو اپنے قدیم وفادار ملازم کو اس - حسنِ خدمت اور بہادرانہ کارناموں کے صلے میں خان کا خطاب اور بابا کا لقب عنایت کیا - گنج علی خاں تیس برس تک کرمان کا مستقل حاکم رہا. قندھار کا قلعہ جو اکبر کے زمانے میں مغلیہ سلطنت میں شامل ہو گیا تھا، جہاں گیر کے عہد میں شاہ ایران کے قبضے میں چلا گیا اور گنج علی خاں اس کا قلعہ دار مقرر ہوا - ۱۰۳۴ھ میں ایک رات کو ایک ناگہانی حادثے سے اس کا انتقال ہو گیا - شاہ عباس نے اس کے بیٹے علی مردان بیگ کو خان کا خطاب اور بابائے ثانی کا لقب دے کر باپ کی جگہ قندھار کا قلعہ دار مقرر کر دیا -

شاہ عباس ماضی کے بعد اُس کا پوتا شاہ صفی ایران کا بادشاہ ہوا تو اس نے بے بنیاد شبہوں پر بڑے بڑے امیروں کو معزول کر دیا. اُسی زمانے میں شاہ جہاں بادشاہ نے قندھار کا قلعہ دوبارہ حاصل کرنے کے لیے ریشہ دوانیاں شروع کیں - علی مردان خاں نے شاہ صفی کو

اس صورت حال کی اطلاع دی مگر توقع کے خلاف اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ خود اُسی کی طرف سے بدگمان ہوگیا اور سرِ دربار اُس کو سزا دینے کا ارادہ ظاہر کیا۔ علی مردان خاں کے طرف دار، جو صفوی دربار میں موجود تھے - انھوں نے شاہی عتاب کی خبر اُس کو پہنچا دی۔ اپنی جان اور مال کو خطرے میں دیکھ کر علی مردان خاں نے قندھار کا قلعہ شاہ جہاں کے حوالے کردیا اور خود اُس کی پناہ میں آگیا۔ شاہ جہاں نے لاہور میں بڑی عزت کے ساتھ دربار میں بلایا اور ایک بیش بہا خلعت، طلا کار چار قُب، کلغی، مرصع خنجر، مرصع تلوار، دو گھوڑے اور ایک ہاتھی مرحمت کیا۔ اور شش ہزاری منصب عطا کرکے کشمیر کا صوبہ دار مقرر کردیا۔ یہ واقعہ شاہ جہاں کے جلوس کے بارھویں سال یعنی ۱۰۴۸ھ کا ہو۔ اِس کے دوسرے سال ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار کا منصب ملا اور کشمیر کے علاوہ لاہور کی صوبہ داری بھی عنایت ہوئی۔ تین سال بعد امیر الامرا کا خطاب پاکر کل شاہ جہانی منصب داروں سے بڑھ گیا۔ کوئی بیس سال تک علی مردان خاں کے تدبر اور شجاعت سے بڑے بڑے کام بنتے رہے اور بڑی بڑی مہمیں سر ہوتی رہیں اور سرکار شاہی سے اُس پر انعام واکرام، اعزاز واحترام کی بارش ہوتی رہی، یہاں تک ۱۰۶۷ھ آگیا۔ اسی سال میں علی مردان خاں نے اسہال کے مرض میں انتقال کیا اور اسی سال شاہ جہاں کو سلطنت سے دست بردار ہونا پڑا۔ گویا شاہ جہاں کے آفتاب اقبال کا عروج وزوال علی مردان خاں کے ستارۂ حیات سے وابستہ تھا۔ علی مردان خاں کے خلوص وعقیدت دانائی اور کاردانی نے شاہ جہاں کے دل میں ایسا گھر کرلیا تھا کہ

وہ اُس کو یارِ وفادار کے الفاظ سے خطاب کرتا تھا۔ اُس کے انتقال کا بادشاہ کو بے حد صدمہ ہوا۔

علی مردان خاں کی دولت و ثروت اور ساز و سامان کی ایک مدت تک ہندستان بھر میں بڑی شہرت رہی۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ اس نے بادشاہ کی دعوت کے موقع پر سو سینیاں مع سرپوش سونے کی اور تین سو سینیاں چاندی کی دسترخوان پر رکھی تھیں۔ انتقال کے وقت جو اثاثہ اس نے چھوڑا تھا اس کی مالیت کا تخمینہ ایک کرور روپیہ کیا گیا تھا۔

علی مردان خاں نے چار بیٹے چھوڑے۔ ابراہیم بیگ۔ اسماعیل بیگ، اسحاق بیگ اور عبداللہ بیگ۔ ابراہیم سب سے بڑا بیٹا تھا اور باپ کی زندگی میں منصب اور خانی کا خطاب پا چکا تھا۔ علی مردان خاں کے انتقال کے بعد شاہ جہاں نے ابراہیم خاں کو اپنے حضور میں طلب کیا اور اس کے منصب میں اضافہ کرکے چار ہزاری سہ ہزار سوار کر دیا۔ اور علی مردان خاں نے جو نقد و جنس ایک کرور کا اثاثہ چھوڑا تھا اُس میں سے آدھا ابراہیم خاں کو عطا کیا اور آدھا شاہی خزانے میں داخل کر دیا۔ ابراہیم خاں کا بھائی عبداللہ بیگ بھی ایک اچھے منصب پر تھا۔ باپ کے مرنے پر سرکار شاہ جہانی سے دو ہزار و پانصدی ہزار و پانصد سوار کا منصب عطا ہوا۔ اسماعیل بیگ اور اسحاق بیگ کو بھی ہزار و پانصدی ہشت صد سوار کا منصب مرحمت ہوا۔ شاہ جہاں کی معزولی کے بعد اُس کے بیٹوں میں تخت و تاج کے لیے جو جنگیں ہوئیں اُن میں یہ چاروں بھائی داراشکوہ کی طرف تھے سموگڑھ کا سخت معرکہ جس میں داراشکوہ نے شکست کھائی۔ اُس میں ابراہیم خاں اور اس کے

بھائی اسماعیل بیگ اور اسحاق بیگ بھی شریک تھے۔ وہ دونوں تو اس جنگ میں مارے گئے اور ابراہیم خاں نے شاہ زادہ مراد بخش کی رفاقت اختیار کرلی۔ جب عالم گیر تختِ سلطنت پر متمکن ہو گیا تو اس نے ابراہیم خاں اور اس کے بھائی عبداللہ بیگ کو اپنی ملازمت کا شرف بخشا اور خلعت۔ انعام اور اضافۂ منصب سے سرفراز کیا۔ شجاع کی جنگ اور دارا شکوہ کی دوسری جنگ میں عبداللہ بیگ عالم گیر کے ساتھ تھا۔ بادشاہ کی سرکار سے اس کو 'گنج علی خاں' کا خطاب ملا اور جلوس عالم گیر کے نویں سال اس کو سہ ہزاری دو ہزار سوار کا منصب عطا ہوا۔

ابراہیم خاں نے عالم گیر کے عہد میں بہت ترقی کی اِس بادشاہ نے اپنے جلوس کے دوسرے سال اُس کو پنج ہزاری پنج ہزار سوار کا منصب دے کر کشمیر کا صوبہ دار مقرر کر دیا۔ اِس کے بعد لاہور، بہار، بنگال، الہ آباد، کشمیر اور احمد آباد گجرات کی صوبہ داری پر وقتاً فوقتاً اُس کا تقرر ہوتا رہا۔ جلوس عالم گیر کے اُنچاسویں سال اُس کے منصب میں اور اضافہ ہوا اور وہ شش ہزاری شش ہزار سوار کے منصب پر فائز ہوا۔ اُس نے دو تین مرتبہ ترک ملازمت کر کے گوشہ نشینی اختیار کرلی اور ہر مرتبہ سرکار عالم گیری سے اُس کا بیش قرار وظیفہ مقرر ہو گیا۔ ایک مرتبہ کی گوشہ نشینی کے متعلق تصریح کے ساتھ معلوم ہے کہ ساٹھ ہزار روپے سالانہ اُس کا وظیفہ مقرر ہوا تھا۔ عالم گیر کے بعد جب بہادر شاہ تخت نشین ہوا تو شاہ زادۂ عظیم الشان نے ایک پرانی ناراضی کی بنا پر ابراہیم خاں سے مواخذہ کرنا چاہا۔ مگر خان خانان نے ابراہیم خاں کے خاندانی

وقار اور ذاتی اعزاز کا خیال کر کے بادشاہ سے سفارش کی اور بادشاہ نے اُس کو "علی مردان خاں" کا خطاب اور کابل کی صوبہ داری عطا کی۔ ابراہیم خاں پشاور پہنچ گیا۔ مگر بڈھا منصب دار صوبے کا بندوبست جیسا چاہیے تھا نہ کر سکا۔ اِس لیے اُس کی جگہ پر ایک اور شخص کا تقرر عمل میں آیا۔ ابراہیم خاں واپس آکر ابراہیم آباد سودھرہ میں مقیم ہو گیا۔ یہ مقام لاہور سے تیس کوس کے فاصلے پر واقع تھا اور اُس کو ابراہیم خاں نے گویا اپنا وطن بنا لیا تھا۔ وہیں چند مہینے کے بعد اُس نے انتقال کیا۔ "ابراہیم آباد سودرہ" کے باغ کی تعریف میں فائزؔ نے ایک مثنوی کہی ہے، جس کے چند شعر یہاں نقل کیے جاتے ہیں:-

درین گلشن کہ مانند بہشت است — ہوا ہموارہ چوں آردی بہشت است
درشش چوں جبہ خوباں کشادہ — صفایش از گلِ بتاں زیادہ
خزاں را نیست رہ در ایں گلستاں — کہ سر سبز است ہمچوں باغِ رضواں
گرفتہ سر بسر روئے زمیں را — کسے کم دیدہ باغے ایں چنیں را
بود از حوض آئینہ کنارش — بسانِ جنت الماوی بہارش
چنار و سرو دو از سربلنداں — دمیدہ سبزہ اش چوں خطِ خوباں
چو بہہ رخسارہ را رنگِ طلا کرد — انارش خندۂ دنداں نما کرد
گہر پاشی کند فوارہ دائم — مزاجِ مستقیم اوست قائم
ز دیوارش حوادث بر کنار است — بہ ہر جانب کہ می بینی بہار است

نشاط افزا ست ایں باغ پُر از گل
دہد دل را فرح چوں ساغرِ مُل

ابراہیم خاں کے دو بیٹے زبردست خاں اور یعقوب خاں شاہی منصب دار تھے۔ یعقوب خاں جلوس عالم گیر کے اکتالیسویں سال ۱۱۰۹ھ میں

جون پور کا فوج دار مقرر ہوا اور اُنچاسویں سال ۱۱۱۶ھ میں اُس کے منصب میں ہزار سواروں کا اضافہ کیا گیا۔ بہادر شاہ کے عہد میں وہ آصف الدولہ صوبہ دار لاہور کا نائب تھا۔ جس طرح ابراہیم خاں کو اُس کے باپ کے نام پر 'علی مردان خاں' کا خطاب ملا تھا، اُسی طرح ابراہیم خاں کے انتقال کے بعد یعقوب خاں کو 'ابراہیم خاں' کا خطاب دیا گیا تھا۔

زبردست خاں نے اپنے باپ کی نظامتِ بنگالہ کے زمانے میں رحیم خاں افغان پر، جس نے بردوان اور بعض دوسرے محالوں پر قبضہ کر کے رحیم شاہ کا لقب اختیار کر لیا تھا، فوج کشی کر کے اُس کو شکست فاش دی تھی۔ عالم گیری عہد کے بیالیسویں سال یعنی ۱۱۰۹ھ میں زبردست خاں صوبۂ اودھ کا ناظم مقرر ہوا۔ اور سہ ہزاری دو ہزار دو پانصد سوار کے منصب پر فائز ہوا۔ اُس کے بعد وہ پنجاب کا صوبہ دار مقرر ہوا اور عہد عالم گیری کے اُنچاسویں سال ۱۱۱۶ھ میں اجمیر کا صوبہ دار ہوا اور چار ہزاری سہ ہزار سوار کا منصب پایا۔ بہادر شاہ کے عہد میں اُس کا انتقال ہوا۔ عہد مغلیہ کے ناموں اور خطابوں پر جن لوگوں کی نظر ہے اُنھیں اِس امر میں شبہہ نہ ہوگا کہ 'زبردست خاں' نام نہیں بلکہ خطاب ہے۔ عالم گیر کے عہد میں اِس خطاب کے اور لوگ بھی ملتے ہیں۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اِن زبردست خاں کا نام کیا تھا۔ بہر حال فائزؔ اِنھیں زبردست خاں کے فرزند اور اِسی دودمانِ عالی شان کی یادگار تھے۔[۱]

فائزؔ کا زمانہ

فائزؔ کے آبا و اجداد کے حالات تو تاریخ کی کتابوں سے بہت کچھ معلوم کیے جا سکتے ہیں، لیکن خود اُن کا حال مجھے کسی

۱۔ فائزؔ کے بزرگوں کے حالات عالم گیر نامہ، مآثر الامرا، مآثر عالم گیری، تاریخ کشمیر اعظمی، گلزارِ کشمیر، زبدۃ التواریخ، جامع التواریخ اور مفتاح التواریخ سے لیے گئے ہیں۔

تاریخ میں اب تک نہیں ملا۔ اُردو اور فارسی شاعروں کے کثیر التعداد مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تذکرے جو میری نظر سے گزرے ہیں وہ سب بھی فائز کے حال میں خاموش صرف طبقاتِ شعرائے ہند کے مصنف منشی کریم الدین نے اُن کے اُردو دیوان کا ذکر کیا ہو اور اُن کے متعلق صرف یہ چند لفظ لکھے ہیں، "صدر الدین محمد فائز فرزند زبردست خاں کا۔" اِس سے زیادہ فائز کے بارے میں اُنھیں کچھ معلوم نہ تھا۔ اُنھوں نے میر، سودا، درد، اور سوز کو اُردو شاعروں کے طبقۂ اوّل میں رکھا ہے اور فائز کو میر حسن، انشا اور جرأت کے ساتھ طبقۂ دوم میں جگہ دی ہو اور اِس طبقے کے متعلق لکھا ہے :-

"اس میں اُن شعرا کا ذکر ہو جو مصلحِ اُردو اور مروج اس زبان کے تھے۔ اور اُنھوں نے الفاظ کریہہ کا استعمال یک قلم زبانِ ریختہ سے موقوف کیا۔"

معلوم ہوتا ہو کہ کریم الدین نے فائز کے کلام کا مطالعہ نہیں کیا۔ ورنہ اُن کے دیوان کا ہر صفحہ انھیں بتا سکتا تھا کہ انشا اور جرأت کا کیا ذکر فائز میر اور سودا سے بھی کہیں پہلے گزرے ہیں۔

فائز کی زبان کے علاوہ ان کی بعض تحریریں بھی ان کا زمانہ معین کرتے میں مدد دیتی ہیں۔ ہم اوپر کلّیات فائز کے خطبے کی وہ عبارت نقل کر چکے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہو کہ وہ کلیات ۱۱۲۷ھ میں یعنی فرخ سیر کی سلطنت کے پانچویں سال میں مرتب ہوا اور ۱۱۴۲ھ میں یعنی محمد شاہ کی سلطنت کے گیارھویں سال میں اُس پر نظر ثانی کی گئی۔ رسالہ مناظرات میں وہ مکالمے درج ہیں جو فائز اور بعض علما میں امیر الامرا صمصام الدولہ کے مکان پر مختلف اوقات میں بعض مذہبی مسائل کے متعلق ہوئے تھے صمصام الدولہ کو فرخ سیر کے عہد میں امیر الامرا حسین علی خاں کی نیابت ملی

اور محمد شاہ کی سرکار سے امیر الامرا کا مستقل عہدہ عطا ہوا۔ اسی بادشاہ کے عہد میں وہ نادرشاہ کی فوج سے جنگ کرتے ہوئے مارا گیا۔ فائزؔ نے اپنی ایک فارسی مثنوی میں بادشاہوں کے عبرت ناک انجام کا ذکر کیا ہے۔ اس کے چند شعر یہ ہیں:۔

شہانے کہ بودند گردوں وقار — برادرد گیتی از ایشاں دمار
دو سہ روز اورنگ آراستند — خراج از شہانِ دگر خواستند
در اندک زمانے چو گردید بخت — نشستند بر خاکِ خواری ز تخت
ہماں سر کہ شایانِ افسر شدہ — بہ خاکِ مذلت برابر شدہ
من انچہ بدیدم نمایم بیان — ز احوالِ شاہانِ ہندوستان
چو اورنگ زیب از جہاں رخت بست — ز بعد وے اعظم بہ تختش نشست
شد اندر دو سہ ماہ دورش تمام — معظم بہ تختِ شہی یافت کام
نشستہ بر اورنگِ او پنج سال — بہ رفت از جہان با ہزاراں ملال
پس او جہاں دار شہ سر کشید — دو روزے سرش بارِ افسر کشید
پس از وے چو فرخ سیر شد عیاں — نہادہ قدم بر سریر جہان
جہاں داوری کرد تا ہفت سال — ز فرقش ربودند تاجِ جلال
ز بعد وے آمد رفیع الدرج — ندید از جہاں ہیچ حظ و فرج
پس از وے بیامد رفیعِ دگر — دو سہ مہ نپائید عمرش مگر
پس از وے محمد شہ آمد پدید — کہ در سلطنت غیرِ حسرت ندید
بر احوال ایں ہا بہ عبرت ببیں — بود عاقبت حال ہر کس چنیں

من آنہا کہ دیدم بسا سال نیست
تمامش بجز چار دہ حال نیست

کلیات فائز کی ترتیب اور تکمیل کی تاریخیں، فائز اور امیر الامرا صمصام الدولہ کی بے تکلف ملاقاتیں، اور سب سے بڑھ کر مثنوی کے یہ شعر، ان سب چیزوں پر نظر کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فائز نے عالم گیری عہد کا آخری حصہ دیکھا تھا۔ اور وہ محمد شاہی عہد میں بھی موجود تھے۔

فائز کا وطن

فائز کے زمانے کی طرح اُن کے وطن کا پتا بھی انھیں کی تحریروں سے لگتا ہے۔ انھوں نے اپنے وطن کا ذکر صاف صاف تو کہیں نہیں کیا ہے لیکن ان کے کلام میں دہلی کا ذکر اس انداز سے اور اس کثرت سے ملتا ہے کہ دہلی کو ان کا وطن قرار دینے میں کوئی تامل نہیں ہو سکتا۔ ان کے فارسی کلیات میں ایک مثنوی نہان نامہ ہے جس میں 'نگمبود' کے گھاٹ پر، جو دہلی میں ہے ہندوؤں کے نہانے کا ذکر کیا ہے۔ تین مثنویاں افترا نامہ، آتش نامہ اور حویلی نامہ ہیں جن میں سے پہلی مثنوی میں دہلی میں کذب و افترا کی کثرت بیان کی ہے، دوسری میں دہلی میں آگ لگنے کی زیادتی دکھائی ہے اور تیسری میں دہلی کے مکان داروں کی مذمت کی ہے۔ ایک مثنوی درگاہ نامہ ہے جس میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے عرس کے موقع پر دہلی میں جو میلا لگتا تھا اُس کا حال لکھا ہے۔ ایک مثنوی میں امیر الامرا کے باغ، عمارت اور حمام کی تعریف کی ہے جو دار الخلافہ یعنی دہلی میں واقع تھا۔ ایک مثنوی میں شہر لاہور کی تعریف کرنے کے بعد کہتے ہیں:

بشو فائزا اکنوں بہ دہلی رواں ۔ رفیقِ تو لطفِ خدا ئے جہاں

فائز کے دہلوی ہونے کا سب سے زیادہ کھلا ہوا ثبوت اُن کی اُس مثنوی سے ملتا ہے جو انھوں نے شاہ جہاں آباد کی تعریف میں لکھی ہے۔

اُس میں دہلی کے بازاروں کے بیان میں دریبہ، گزری، نخاس مغل پورہ اور قاضی کے حوض کا ذکر کیا ہے اور اسی سلسلے میں لکھا ہے :-

پُلے را کہ نامش مٹھائی بود　　ز جنس نکو روشنائی بود

مرا خانہ بودہ است دراں طرف　　ز نہر ست او را سراسر شرف

مٹھائی کا پل دہلی میں اب بھی موجود ہے۔ سعادت خاں کی نہر اس کے نیچے سے گزرتی ہے۔ یہ نہر اب پاٹی جا رہی ہے مگر اس کے آثار ابھی موجود ہیں اور اس کا نام باقی ہے۔ سعادت خاں (برہان الملک) محمد شاہی عہد کا مشہور منصب دار تھا، جو بعد کو اودھ کی سلطنت کا بانی ہوا۔ ظاہر ہے کہ اس کی بنوائی ہوئی نہر فائزؔ کے سامنے تیار ہوئی ہوگی اور اس میں شک نہیں کیا جا سکتا کہ انھوں نے منقولہ بالا شعروں میں اسی نہر کا ذکر کیا ہے۔ غرض کہ یہ دو شعر صاف بتاتے ہیں کہ فائزؔ کا مکان دہلی میں مٹھائی کے پل کے قریب سعادت خاں کی نہر کے کنارے واقع تھا۔ اس مثنوی کا آخری شعر یہ ہے :-

چو فائزؔ اگر سیرِ دنیا کنی　　برایں شہر باید کہ ماوی کنی

اس شعر سے بھی یہ بات نکلتی ہے کہ فائزؔ دہلی میں رہتے تھے۔

فائزؔ کے اُردو دیوان میں بھی ایک مثنوی کا موضوع ہے۔ وصفِ بھنگیڑن درگاہ قطب اور ایک مثنوی کا موضوع ہے تعریفِ نہان نگمبود۔ قطب صاحب کی درگاہ اور نگمبود کا گھاٹ دونوں دہلی میں واقع ہیں۔ ایک اُردو غزل کے مقطع میں بھی دہلی کا ذکر اس طرح کیا ہے :-

شہرِ دہلی میں فائزؔ اب ناہیں　　ثانی اس دل رُبا سرِ یجن کا

مختصر یہ کہ فائزؔ کے دہلوی ہونے میں کسی شبہے کی گنجایش نہیں ہے۔

فائز کی شکل و شمائل

فائز اصل نسل کے ایرانی اور پشتہا پشت کے امیر تھے۔ قیاس کہتا ہو کہ وہ ہاتھ پانو کے اچھے اور چہرے مہرے کے وجیہ ہوں گے۔ اس قیاس کی تصدیق بھی فائز ہی کے بیان سے ہو جاتی ہو وہ اپنے کلیات کے خطبے میں ایک جگہ لکھتے ہیں :۔

"حسنِ ظاہر بہترینِ صفات است و دلیلِ خوبیِ باطن چناں چہ در حدیث وارد شدہ اطلبوا الخیر عند حسان الوجوہ ازایں جا پیداست کہ قبح منظر دلیلِ سوءِ باطن است۔ نعوذ باللہ منہا"

اس عبارت سے صاف ظاہر ہو کہ فائز خوب صورت آدمی تھے اگر وہ خود بدصورت ہوتے تو بدصورتی کو بد باطنی کی دلیل قرار نہ دیتے اور اس سے پناہ نہ مانگتے۔ اس سلسلے میں انھوں نے یہ شعر بھی لکھا ہو جس سے اس خیال کو اور تقویت پہنچتی ہو۔

زشت رو البتہ می باشد شریر قول و فعلِ او نباشد دل پذیر

فائز خود حسین تھے اور حسینوں کی طرف فطری میلان رکھتے تھے انھوں نے اپنے کلیات کے خطبے میں اپنی "گرفتاریِ دل و تعلّق بہ خوبانِ طاقت گسل" کا ذکر کیا ہو اور رسالۂ مناظرات میں لکھا ہو کہ ایک مرتبہ امیرالامرا نے اُن سے شکایت کی کہ آپ نے یہ کیا طریقہ اختیار کیا ہو کہ نہ دربار میں شرکت کرتے ہیں نہ میرے گھر آتے ہیں اس سلسلے میں مزاحاً یہ بھی کہا کہ کیا کہیں عاشقی کر لی ہو جو گھر سے باہر نہیں نکلتے ؟ فائز نے جواب دیا کہ فی الواقع میں ہمیشہ سے

عاشق پیشہ تھا لیکن

چناں قحط سالے شد اندر دمشق — کہ یاراں فراموش کردند عشق

اس لیے اب عشق و عاشقی کا ہوش نہیں۔

فائز نے اپنی شگفتہ مزاجی اور صاف دلی کا ذکر کئی جگہ کیا ہی۔ مثلاً ایک قصیدے میں کہتے ہیں:۔

اگر کدورت و بغض ونفاق در دلہاست — ہزار شکر کہ آئینۂ دلم یہ صفاست
چو گل شگفتگی افتادہ لازم طبعم — اگرچہ در دل و جانم ز چرخ کلفتہاست

فائز کی نظموں سے ظاہر ہوتا ہی کہ وہ ہر طرح کی صحبتوں میں بیٹھتے تھے، ہر قسم کے جلسوں میں شریک ہوتے تھے۔ میلوں ٹھیلوں کی سیر کرتے تھے، اور کھیل تماشے، ناچ رنگ سب کچھ دیکھتے تھے۔ وہ اپنے گھر پر بھی ناچ گانے کے جلسے کرتے تھے۔ کم از کم ایک جلسے کا حال تو انھوں نے خود نظم کیا ہی جو اُن کے یہاں نوروز کے دن ہوا تھا۔ اس نظم کے صرف چار شعر یہاں نقل کیے جاتے ہیں:۔

یافت ترتیب روزِ نوروزے — خانہ ام مجلسِ دل افروزے
دل برانِ پری رُخِ رعنا — چوں گل و لالہ جمع در یک جا
بردہ ہر یک بہ رقص ہوش ز سر — عشوہ و نازِ شان ہمہ دل بر
صوتِ مطرب ز بس گشت بلند — زُہرہ بر چرخ طرح رقص فگند

فائز کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہی کہ آخر عمر میں انھوں نے رقص و سرود کی محفلوں میں شرکت ترک کردی تھی اور مے نوشی سے ہمیشہ پرہیز کیا تھا۔ ساقی نامہ کے نام سے انھوں نے ایک طولانی مثنوی کہی ہی۔ اُس کے خاتمے میں یہ بھی بتایا ہی کہ شراب اور ساقی کا ذکر جو انھوں نے کیا ہی

اُس سے اُن کی مراد کیا ہے - کہتے ہیں :-

مدہ طول ازیں بیش در گفتگو | کہ بسیار گوئی نباشد نکو
مکن وصفِ ساقی و ساغر مدام | مطوّل مگرداں بہ ذکرش کلام
کہ مے نیست لائق بہ فرزانہا | بود شُرب آں کار دیوانہا
زاُم الخبائث بکن احتراز | کہ آنست بدتر ز لحم گراز
مرا شوق ایں بادہ و جام نیست | چنیں فکرتِ پختہ ام خام نیست
مرادِ من از بادہ باشد دگر | ندارد کسے از ضمیرم خبر
بہ دُردی کشانِ محبت قسم | بہ ارباب و اہل مودت قسم
کہ از بادہ مطلوبِ من کوثر است | مرا نشۂ آں مے اندر سر است
بہ ساقیِ او نیز دل بستہ ام | اگرچہ ز ایام دل خستہ ام
بہ عشقِ علی درجہاں زندہ ام | بہ لوحِ دلم نام او کندہ ام

یوں تو فائز کو ان تمام مشغلوں سے کچھ نہ کچھ دلچسپی تھی جو اُس زمانے میں امیری کے لوازم سمجھے جاتے تھے۔ مگر اُن کو خاص شوق دو چیزوں سے تھا - ایک کتابوں کا مطالعہ، دوسرے شکار - ایک مرتبہ اثنائے گفتگو میں امیر الامرا نے فائز سے پوچھا کہ "مطالعہ تو موقوف ہوا اب کیا شغل رہتا ہے" فائز نے جواب دیا "کچھ نہیں - اس لیے کہ دو ہی چیزوں کی طرف طبیعت مائل تھی، ایک مطالعہ، وہ طبیبوں کے کہنے سے ترک کردیا، دوسرے شکار وہ دار الخلافت میں کسی کو میسر نہیں"۔ (رسالۂ مناظرات)

فائز کی ذاتی وجاہت اور مالی حالت

فائز کے حالات معلوم نہیں مگر قرینہ کہتا ہے کہ وہ خاندانی اعزاز کے علاوہ ذاتی امتیاز کے بھی مالک

تھے۔ اُن کی دو مہریں، جو میں نے دیکھی ہیں، دونوں میں اُن کے نام کے ساتھ "خان" کا لفظ موجود ہے۔ اِس کے علاوہ رسالۂ مناظرات کے سرنامے کی عبارت جو اوپر نقل کی جا چکی ہے۔ اُس میں اُن کا نام "نواب صدر الدین محمد خاں بہادر" لکھا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نوابی اور خانی کے خطاب پائے ہوئے تھے۔ ان کے ایک شعر سے ان کا صاحب جاگیر ہونا بھی ظاہر ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو جو جاگیر ملی تھی وہ اُن کے استحقاق یا توقع سے کم تھی۔ کہتے ہیں :-

جاگیر اگر بہت نہ ملی ہم کو غم نہیں حاصل ہمارے ملکِ قناعت کا کم نہیں

رقعات الصدور کے مقدمے میں جو عبارت علم حساب کے تلازمے میں لکھی گئی ہے۔ اُس میں یہ الفاظ ملتے ہیں "مراد بہ قسمت تقسیم فمن یعمل است و مقسوم جاگیر است و خارج قسمت امیرزادہ ہا اند" جاگیر کے معاملے میں فائز کی جو حق تلفی ہوئی تھی اُس کی شکایت اِن لفظوں میں بھی مضمر ہے۔ رسالۂ مناظرات سے فائز کی باعزت شخصیت کا حال یوں بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ امیر الامرا کے حضور میں بلکہ خود اُنھیں سے خطاب کر کے، بے تکلفانہ اور بے باکانہ گفتگو کر سکتے تھے اور گفتگو بھی ایسی جس میں امیر الامرا کی ذات اور اُن کے مذہب پر حملے ہوتے تھے۔ باوجود اس کے امیر الامرا فائز کی ملاقات کے مشتاق رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک مہینے کے بعد ملاقات ہوئی۔ جب فائز رخصت ہونے لگے تو امیر الامرا نے کہا کہ مہینا بھر کے بعد آئے اور اتنی جلد چلے۔ ایک مرتبہ تین مہینے کے بعد ملاقات کی نوبت آئی تو امیر الامرا نے شکایت کی کہ آپ نے یہ کیا طریقہ اختیار کیا ہے کہ نہ دربار میں شرکت کرتے ہیں نہ میرے یہاں آتے ہیں۔ یہ الفاظ بتا

ہیں کہ فائزؔ کو دربار شاہی میں رسائی حاصل تھی۔

فائزؔ کے باپ دادا کئی پشتوں سے جب دولت و ثروت کے مالک چلے آتے تھے اس کا کچھ حصہ تو فائزؔ تک ضرور ہی پہنچا ہو گا۔ خود اُن کی بعض تحریروں سے بھی اُن کی خوش حالی کا اظہار ہوتا ہے۔ اپنے ایک دوست کو خط میں لکھتے ہیں کہ جو گھوڑا آپ نے بھیجا ہے وہ بھی بُرا نہیں ہے۔ لیکن جیسا میں نے لکھا تھا ویسا بھیجیے۔ گھوڑا اچھا ہو خواہ کتنی ہی قیمت کا ہو۔ (بہر قیمت کہ باشد لیکن خوب باشد) ایک خط میں کسی دوست کو لکھتے ہیں کہ ایک ہاتھی مطلوب ہے، مگر معمولی نہ ہو۔ بہت اچھا ہو۔ جس قیمت کا بھی ہو۔ مضائقہ نہیں ہے (بہ ہر قیمت کہ باشد مضائقہ نیست) کسی نے ایک گھوڑا منگوا بھیجا ہے۔ اس کو جواب میں لکھتے ہیں کہ چند گھوڑے جو میرے پاس تھے میں نے بیچ ڈالے۔ اگر کوئی گھوڑا ہوتا تو میں ضرور بھیج دیتا۔ اِن تحریروں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فائزؔ کا ایک زمانہ کم از کم ایسا ضرور گزرا ہے جب ان کے اصطبل میں کئی کئی گھوڑے بندھے رہتے تھے اور دروازے پر ہاتھی جھومتے تھے۔ فائزؔ کی جو تصویر اس کتاب کے ساتھ شائع کی جا رہی ہے وہ بھی ان کی خوش حالی کا ثبوت دے رہی ہے۔ مگر خوش بختی اور خوش حالی تو ایک اضافی چیز ہے، ہم جس حالت کو خوش حالی سمجھ رہے ہیں وہ خود فائزؔ کے نزدیک خوش حالی نہ تھی، کیوں کہ نہ اُن کی مالی حالت وہ تھی جو اُن کے بزرگوں کی رہ چکی تھی نہ اُن کو وہ منصبی اعزاز حاصل تھا جو اُن کے خاندان میں کئی پشتوں سے چلا آتا تھا۔ اُن کی زندگی کا کچھ حصہ ایسا ضرور گزرا ہے۔ جب وہ کسی منصب پر فائز نہ تھے اُن کو یہ شکایت ہے کہ اس عہد میں نام ور خاندانوں کے افراد بے روزگار

اور نیچے گھرانوں کے لوگ برسرِ کار ہیں۔ ہر کس و ناکس کسی نہ کسی منصب پر فائز ہے مگر حق دار اپنے حق سے محروم ہیں اور غیر مستحق لوگ یکایک بڑے سے بڑے منصبوں پر پہنچ جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں رقعات الصدؔر کے مقدمے سے تین مختصر اقتباس پیش کیے جاتے ہیں جن میں علم حساب، نحو اور منطق کا تلازمہ ملحوظ رکھا گیا ہے۔

"مراد بہ خطائیں دو خطاست، یکے از پا انداختن بزرگ زادہا، دویم کارفرمودن بہ گدازادہ ہا"۔ "مستثنیٰ کسے است کہ دریں ایام کم تر از صدی منصب داشتہ باشد"۔
"قضیۂ اتفاقی آنست کہ در بادشاہ گردش شخصے یک مرتبہ ہفت ہزاری گردد و قضیۂ مہملہ طلب حق خواست سیما از قوی ترے از خود۔"

فائزؔ کا ایک خط ہے "درجواب شخصے کہ احوال حضور نوشتہ بود" اس میں بھی دربار کے حالات کی خرابی کا ذکر اور نااہلوں کے برسرِاقتدار ہونے کی شکایت کی ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"آنچہ نوشتہ بودند کہ مقدمات دربار بسیار زبون بہ نظر می آید و کار کسے نمی شود، بدیہی است، دولتہ الارذالِ آفتہ الرّجال"۔

فائزؔ نے اپنی نظموں میں جگہ جگہ اپنی بے کاری، اہلِ کمال کی ناقدری اور اربابِ اختیار کی بے امتیازی کی شکایت کی ہے اور اپنی سرفرازی اور بلند اقبالی کے لیے دعا مانگی ہے۔ مثلاً

عاقلاں از بہرِ نانے مضطر اند   ابلہاں با بختِ دولت ہم سر اند

ہر ابلہے بہ مہر شدہ صاحب احتشام — علم و کمال ہیچ نیامد بہ کارِ من

نماندہ کسے در جہاں قدرداں — نہ دیدم کسے را بہ خود مہرباں

ہمہ دشمنِ مردِ صاحب ہنر — ہمہ مائل و راغب سیم و زر

بہ اصحاب معنی نہ دارند کار — گر قنند از ایشاں چو حیواں کنار

آں کہ باشد نسب او ز امیرانِ قدیم — ہند کم نیست بر ایشں ز عقوبات جحیم

چوں مجانیں نکنند ہیچ کس او را تعظیم — . . . .

ہر طرف می شنوم زمزمۂ بے نانی — حاصلے نیست بہ یاراں ز خطاب خانی

رقعات الصدر کے مقدمے میں لکھتے ہیں :-

" قدیم زمانے میں اہلِ کمال کی بڑی عزت تھی۔ اس لیے کہ اکثر سلاطین اور اہلِ دول دانشمند دوست اور سخن فہم تھے اور چھپے ہوئے نکتوں کی تہ تک پہنچ جاتے تھے . . . . اس عصر میں ماہرینِ فن میں سے ایک بھی موجود نہیں ہے اور کوئی ان کا طالب نہیں ہے . . . . قدما کا میلان کمال کی طرف تھا اور اس زمانے میں بے کمالی

کمال ہے اور ہنر ل ترقی مدارج کا باعث اور تفاخر کا سبب ہو۔" (ترجمہ)
اسی مقدمے میں آگے بڑھ کر لکھتے ہیں :۔

"ایسی افراط و تفریط کی حالت میں کہ اہلِ کمال کی طرح تمیز کا پانو درمیان سے اٹھ گیا ہو کوئی علم کی خواہش کیوں کرے اور کمال کس لیے حاصل کرے اگر صاحب کمال ہو جائے گا تو اس کے مرتبے میں کیا زیادتی ہو جائے گی اور اگر نادان رہ جائے گا تو اس کے مرتبے میں کیا کمی رہ جائے گی۔ سخن فہم کون ہے اور دیکھنے والا کہاں ہے یہی سبب ہے کہ کمال کی کساد بازاری یہاں تک پہنچ گئی ہے اور اقلیم سخن کی خرابی اِس حد تک کھنچ گئی ہے۔ اگر معقول بات کہو تو کوئی تعریف نہیں کرتا اور مہمل بکو تو کوئی منہ پر نہیں مارتا۔" (ترجمہ)

فائز کبھی کبھی اپنی آمدنی کی کمی اور خرچ کی زیادتی سے سخت پریشان ہو جاتے اور کہتے ہیں :۔

مرا کرد دیوانہ فکرِ معاشش   از آں رفتہ از طبع من انتعاشش

مگر کبھی اپنے دل کو یوں تسکین دے لیتے ہیں کہ منصب نہ ملا تو اچھا ہوا کہ حلال کی روٹی کھاتے ہیں اور کسی کے آگے سر نہیں جھکاتے ۔

بود ہر روزیِ من دادہ حق زوجہ حلال   بہ مال شبہ ازاں دست آشنا نکنم
ز فضلِ حق بہ جہاں سرفراز چوں مردم   برائے کورنش و تسلیم نشد دوتا نکنم

فائز کی بیماری

فائز ایک طرف بے کاری سے پریشان تھے ، دوسری طرف بیماری سے نالاں تھے . ایک مناجات میں کہتے ہیں :۔

ہوا دل تنگ میرا اس جہاں سے | توقع کچھ نہیں اب دوستاں سے
کہ بےکاری و بیماری بلا ہی | فقیر اِن دو بلا میں مبتلا ہی
شفا خانے سے اپنے بخش صحت | سرافرازی کی جگ میں بھیج خلعت
شفا دے فائزِ زار و حزیں کو | بلند اقبال کر اندوہ گیں کو

ایک منقبت میں یہ دو شعر ملتے ہیں :-

لشکرِ سودا نے کیا ہی ہجوم | چھائے مرے دل پہ غمام غموم
فائزِ بیدل کوں سرافراز کر | صحتِ جاوید سوں ممتاز کر

شعر بتاتے ہیں کہ فائز کسی سوداوی مرض میں مبتلا تھے۔ وہ اپنے رسالۂ مالی خولیا کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔ " ایں ہیچ مداں را از سنِ طفولیت سودا در مزاج غالب بود و از خیالاتِ غیر متناہی آں لحظۂ فارغ نہ بود۔" اُن کی بعض دوسری تحریروں سے معلوم ہوتا ہی کہ اُن کو خفقان کی شکایت پیدا ہو گئی تھی وہ ایک منظوم خط میں شاہی طبیب حکیم الملک کو لکھتے ہیں :-

ای مسیحا نفَس طبیبِ زماں | در مداوا ترا یدِ بیضا
زاں خطابِ تو شُد حکیم الملک | کہ کنی زندہ ہر نفَس موتیٰ
می کشد خاطرم بہ دشتِ جنوں | ہست ایں حال لازمِ سودا
ہر دمے در نظر بہ چندیں رنگ | جلوہ ہا می کند خیالِ رسا
گشت دل تنگیم چو غنچۂ گُل | شد دلم خوں چو لالۂ حمرا
خفقاں از خیالِ ہم نفَسی | بُردہ راہے بہ خلوت دل ما
گر رسد نسخۂ نہ یاقوتی | نفع بخشد مرا دریں اثنا
باید اجزائے آں بود یکسر | تقویت بخشِ قلب و روح افزا

اس کے بعد نسخے کے اجزا بھی تجویز کیے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ یشب۔ لعل عقیق

مروارید۔ حجر الیتس۔ بسد۔ کاہ ربا، عنبر، مشک، صندل، کافور، عود، زعفران، جوز بوا۔ انھیں حکیم الملک کو ایک دوسرے قطعے میں لکھا ہی کہ ایک ہفتہ آپ کا نسخہ استعمال کیا۔ دماغ میں مادّے کا کسی قدر حبس ہو گیا ہی، جس سے دماغ پریشان ہی۔ اگر تنقیۂ دماغ ضروری ہی تو پھر آپ دیر کیوں کر رہی ہیں۔ ایک مثنوی میں اُنھوں نے اپنی حالتِ زار ذرا تفصیل سے بیان کی ہی۔ اُس کے چند شعر یہاں نقل کیے جاتے ہیں:-

زسودا چناں شد مزاجم خراب / کہ کس را نگویم ز کلفت جواب
حواسم نماندہ چو دیوانہ ہا / دلم وحشتے دارد از خانہ ہا
نہ با باغ رغبت نہ شوقے بہ گل / نہ ذوقے بہ جام و نہ خواہش بہ مُل
نہ میلے سوے دشت و صحرا و کوہ / نہ حظّے ز باغاتِ و الا شکوہ
ندارد دلم رغبتے بر شکار / گرفتہ طبیعت ازایں ہا کنار
نہ شوقِ ملاقاتِ ہم سایہ ہا / نہ خواہش بہ دیدارِ ہم پایہ ہا
ندارم دماغے بدرس و کتاب / کہ شبہا ز فکرم نبردہ است خواب
ز وضع فلک گشتہ جانم ملول / نشستم ز کلفت بہ کنج خمول

فائز کے خطوں میں ایک حکیم الممالک کے نام اور چار حکیم مومن علی خاں کے نام ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ حکیم الملک، حکیم الممالک اور مومن علی خاں سے ایک ہی ذات مراد ہی۔ ان خطوں سے معلوم ہوتا ہی کہ حکیم مومن علی خاں نے ایک مرتبہ فائز کو دوار المسک بھیجی تھی اور ایک مرتبہ سرمہ۔ حکیم الممالک کے نام جو خط ہی اُس میں بھی فائز نے اپنے مراق اور خفقان کا ذکر کیا ہی۔ اس خط کا کچھ حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہی:-

"مہربانِ من چہ گویم و چہ نویسم از احوالِ کثیر الاختلال
سراپا ملالِ طفلِ طبیعتم کہ از سن صبی الی یومنا ہذا در مہدِ عافیت
نشو و نما یافتہ بود سرگشتۂ بادیہ حیرانیست و تو بادۂ آرزویم کہ

ہموارہ در کشمکش جمعیۃ بسر می برد ہاموں نوردِ صحرائے سرگردانیست ذہن دغا دعایم کہ طعنہ بر افلاطون می زد مضحکۂ پست فطرتان گردیدہ وعقل نکتہ فہم کہ باساکنانِ سمٰوات دست در گریبان می شد برجِ القہقرا سر کشیدہ حافظہ ام کہ لوح محفوظ بود ضفش تا آں جا کہ آنچہ باو سپردہ بودم نسیاً منسیا بل کان لم یکن شیئاً مذکورا ؎

فائزؔ کی تحریروں کا غائر مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی بے کاری، بیماری یا مالی بے اطمینانی اور اہل زمانہ کی گردش سے بے زاری۔ اِن سب چیزوں کے مجموعی اثر نے اُن کو خانہ نشین بنا دیا تھا اور انھوں نے لوگوں سے ملنا جلنا بہت کم کر دیا تھا۔ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ ایک مرتبہ فائزؔ تین مہینے کے بعد امیر الامرا سے ملے تو انھوں نے یہ شکایت کی کہ آپ نہ دربار میں جاتے ہیں نہ میرے یہاں آتے ہیں۔ رقعاتِ الصدور کے مقدمے میں فائزؔ نے سب سے مجالست ترک کرکے ایک مخلص دوست کی صحبت پر قناعت کرنے کا سبب بیان کیا ہے۔ یہ بیان انھیں کی زبان سے سنیے:-

"دریں عصر آنچہ بنظر می آید نادیدنیست وہرچہ مسموع می شود ناشنیدنی وآنچہ بہ عمل می آید ناکردنی۔ اگر نفیِ آں کردہ شود بر ایشاں شاق واگر تصدیقِ آں نمودہ شود مالا یطاق۔ علی کل التقدیر ین باعث تصدیع طرفین شود . . . . بناءً علیہ ترک مجالست ہمہ نمودم دوستے مشفق وانیسے محب کہ ہموارہ ہم نفس است . . . . اختیار فرمودم"

اس کے بعد اُس دوست کی تعریف عربی میں لکھی ہے اور عربی ہی میں اُس کے نام کے کئی معنے بنائے ہیں۔ اِن معنوں سے وہ نام "تجرید" نکلتا ہے، جس کے معنی ہیں تنہائی۔ فائز کا مطلب یہ ہے کہ سب لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ کر تنہائی اور گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے۔

فائز کی علمی استعداد

فائز کی علمی استعداد بہت اچھی تھی۔ فارسی زبان پر اُن کو جو عبور تھا وہ اُن کی متعدد تصنیفوں اور ضخیم فارسی دیوان سے ظاہر ہے۔ وہ فارسی ادب بالخصوص فارسی شاعری، میں بہت وسیع نظر رکھتے تھے۔ اپنے کلیات کے خطبے میں ایک جگہ لکھا ہے:۔

"فقیر قریب پنجاہ دیوان از قدماد استاداں بہ مطالعہ در آوردہ احوالِ ہر یک و مراتبِ کلامِ ایشاں سنجیدہ"

اِس کے بعد فارسی کے باون (۵۲) شاعروں کا ذکر کیا ہے اور اُن کے خصوصیات نہایت اختصار کے ساتھ بیان کرنے کے بعد لکھا ہے:۔

"طور و طرزِ ہر یک جداست۔ کسے کہ مدتہا مطالعۂ کتب ہر یک نمودہ باشد بر و پوشیدہ نخواہد بود"

اسی خطبے میں دوسری جگہ اپنے متعلق لکھتے ہیں:۔

"اکثر مطالعۂ کتب اشعارِ استادان می نمود۔ زمینے کہ خوش آمد در آں فکرِ نظم می نمود"

ان قولوں کے علاوہ فائز نے اپنے کلیات کے خطبے میں ایرانی شاعروں کی تصنیفوں کے حوالے دیے ہیں اور اُن کے شعر مختلف

موقعوں پر کثرت سے نقل کیے ہیں۔ انھوں نے اپنی فارسی مثنویوں کو اُن کی بحروں کے اعتبار سے ترتیب دیا ہے اور اِن بحروں کے نام یوں بتائے ہیں۔

بحر مثنوی مولوی روم و معراج الخیال، بحر مثنوی شاہنامۂ فردوسی و سکندر نامۂ نظامی گنجوی، بحر مثنوی خسرو شیرین زلالی و نظامی و یوسف زلیخاے جامی، بحر مثنوی حدیقۂ سنائی و ہفت پیکر نظامی و سلسلۃ الذہب جامی، بحر مثنوی لیلیٰ مجنوں نظامی و جامی و نل دمن فیضی، بحر مثنوی مخزن الاسرار نظامی، نقش بدیع غزالی، و خمر نامہ محمد قلی سلیم، بحر مثنوی سبحۃ الابرار جامی و بدن نماے میر سید علی تہری، بحر ہائے مختلف سوائے ہفت بحر مشہور۔

اِس سے بھی فارسی کے ادبِ منظوم میں فائز کی وسعتِ نظر کا کسی قدر اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

فائز کو اپنی فارسی دانی پر ناز تھا اور فارسی نظم و نثر میں وہ اپنے ہم عصروں میں سے کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اُن کا ایک خط جو 'بیکے از مردم خطہ' یعنی کسی کشمیری کے نام ہے جس نے اُن کے شعر کو اصلاح طلب کہہ دیا تھا، اُن کی اس خود پسندی کی غمازی کر رہا ہے۔ اس خط کا ضروری حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:۔

"مسموع کہ آنکہ شد سر خیل لوندان مقام کوہ ماران و تخت سلیمان بہ زبان نا فصاحت جریان گفتہ کہ شعر فلانے اصلاح طلب است۔ دست بالاے دست بسیار است اگر این حرف را قدسی یا کلیم می گفت بجا بود تو شعر را کی می فہمی

دفارسی را چہ می دانی - بہ جان سخن و بہ نزاکتِ معنی سوگند
واں نہ لقسم لو تعلمون عظیم کہ دریں عصر کسے را نمی رسد
تا چنیں کلمہ در برابر نظم و نثر من گوید - تو خود در چہ شماری و
کہ داخل قطاری - ایں قدر باید دانست کہ بر نکتہ فہماں
گرفت و گیر بے جا نتواں کرد - پا بہ انداز گلیم دراز باید نمود -
پارۂ اشعار حافظ و صائب یاد گرفتن و بہمیں قدر خود را
نکتہ سنج و شعر فہم قرار دادن دور از شیوۂ عقل است و دلیل
بے شعوری بل خری و بے جوہری - کلامِ من نہ از تصانیف
حبہ خاتون و یوسف شاہ است کہ تو فہم آں توانی نمود - و نہ
از اشعار حافظ سلمان و فقیر واثل است کہ تو غور مضامینِ
آں توانی فرمود - ایں زبانِ فارسی است از پارسی زبانان
باید شنید "

اِس عبارت کا آخری جملہ بتاتا ہے کہ فائز اپنے کو فارسی میں اہلِ زبان سمجھتے تھے - وہ اصلاً تو ایرانی تھے ہی - ممکن ہے کہ اُن کے گھر میں اب تک فارسی بولی جاتی ہو - فائز کی خود پسندی کے ثبوت میں اُن کی ایک عبارت اور نقل کی جاتی ہے - وہ رقعات الصدور کے مقدمے کے خاتمے پر لکھتے ہیں :-

"گلستا نیست بے خزان و بوستا نیست گل افشان"
بہارش دائم و رنگ و بوے ریاحینش قائم ؎
عبارتش چو آبِ زندگانی درو پیدا جواہر از معانی
" دانند آنہا کہ ہمہ دان اند کہ ازیں قبیل نشآت

دیگر نیست - ایں مجموعۂ خوبیست بہ صورت حبوبیت -
ہم نکاتش نہ کار ہمگناں بل تحفہ ایست لائق بزم خردمنداں"

فائز عربی زبان اور ادب پر بھی کافی عبور رکھتے تھے - وہ اپنے رسالوں میں حمد و نعت وغیرہ عربی میں لکھتے ہیں اور اپنی فارسی تحریروں میں عربی کے اشعار و اقوال وغیرہ بے تکلف لاتے ہیں اور بعض اوقات لمبی لمبی عبارتیں عربی میں لکھتے چلے جاتے ہیں۔ رقعات فائز کے مقدمے میں ایسی عبارتیں کئی جگہ موجود ہیں - اسی کتاب میں فائز کے کئی خط شامل ہیں جو عربی زبان میں لکھے گئے ہیں - وہ عربی میں نظم کرنے کی قدرت بھی رکھتے تھے - ان کے کلیات میں ملمعات کے عنوان سے اٹھائیس شعر ایسے موجود ہیں جن کا پہلا مصرع فارسی اور دوسرا عربی ہے - ان کے اردو دیوان میں ایک غزل ہے جس کے ہر شعر کا دوسرا مصرع عربی ہے - ان کی اردو مثنویوں میں بھی سات شعر اسی طرح کے ملتے ہیں اور ایک شعر پورا عربی میں ہے۔

عربی زبان کے علاوہ عربی علوم میں بھی فائز کو اچھا خاصا دخل تھا - وہ قرآن کی آیتیں پیش کرتے ہیں اور ان کے معنی و مطالب بیان کرنے میں اجتہادی شان دکھاتے ہیں - رسول کی حدیثیں راویوں کے حوالوں کے ساتھ نقل کرتے ہیں اور اسلامی عقائد، فقہ اور تاریخ کے نزاعی مسئلوں پر عالمانہ بحثیں کرتے ہیں - انھوں نے امیر الامرا کے یہاں اہل علم کے مجمع میں مختلف مسائل پر جو مناظرے کیے اور اپنے حریفوں کو جن مدلل بحثوں سے لاجواب کر دیا ان پر نظر کرنے سے فائز کا یہ دعوا صحیح معلوم ہوتا ہے -

صدر اصحاب معنیم بہ جہاں　　برتری حق خاندانِ من است
سر دشمن جدا کنم ز سخن　　تیغ ہندی ہمیں زبانِ من است

مناظروں کے سلسلے میں فائز جن مصنفوں کے قول پیش کرتے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہو کہ فریقین کی مستند کتابیں ان کی نظر سے گزر چکی تھیں رسالۂ مناظرات کے علاوہ اُن کے دوسرے رسالوں میں بھی علوم عربی کی بڑی بڑی کتابوں اور ان کے مصنفوں کے حوالے جگہ جگہ ملتے ہیں۔

ریاضیات کے مختلف شعبوں میں، خاص کر علم ہئیت میں فائز کو اچھی دست گاہ حاصل تھی۔ ایک دن وہ امیر الامرا کے یہاں گئے۔ وہاں اصحاب کہف کے متعلق یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ان کے غار کا منہ فلاں جانب تھا اور اس میں دھوپ اس طرح پہنچتی تھی۔ فائز اس گفتگو میں شریک ہوئے اور حرکتِ افلاک پر عالمانہ بحث[1] کی۔ رقعات الصدر میں کئی خط ایسے شامل ہیں جن میں فائز نے ریاضی اور ہئیت کے مختلف مسائل بیان کیے ہیں۔ ایک خط میں خصوصیٔ کواکب کی شرح کی ہو۔ ایک میں شہاب اور ذوذنابہ کی حقیقت سمجھائی ہو۔ ایک میں روز اور نوروز کے معنی بتائے ہیں۔ ایک میں کسوف اور خسوف کے اسباب سے بحث کی ہو ایک میں کواکب کے رنگوں اور ان کے مزاجوں کا حال بیان کیا ہو۔ ایک خط میں اس سے بحث کی ہو کہ 'ایک' داخل عدد ہو یا نہیں اور ایک خط میں یہ بتایا ہو کہ اقلیم سات کیوں قرار دیے گئے اور 'ربعِ مسکون' سے کیا مراد ہو۔ ان خطوں میں ریاضی اور ہئیت کی مستند عربی کتابوں کے اقتباسات نقل کیے گئے ہیں۔ فائز کے یہ سب خط اُن خطوں کے جواب میں ہیں جن میں یہ مسائل اُن سے دریافت کیے

---

[1] رسالہ مناظرات۔

گئے تھے - ان خطوں کے مکتوب الیہ تو معلوم نہیں ہیں مگر اُن کے القاب بتاتے ہیں کہ وہ ذی علم اور بلند مرتبہ اشخاص تھے - اور اسی سے یہ بات نکلتی ہے کہ اہل علم کے حلقے میں فائز ریاضی اور ہیئت کے ماہر سمجھے جاتے تھے - انھوں نے علم نجوم میں ایک رسالہ نجم القدر اور علم حساب میں ایک رسالہ تحریر القدر لکھا ہے - اِن رسالوں کے دیباچوں میں لکھتے ہیں :-

" فقیر را از صغر سن میل بہ علوم عربیہ لبسیار بود - چنانچہ بقدر وسع در تحصیل آں خود را معاف نمی داشت " (نجم القدر)

" فقیر را شوق لبسیار بہ علم عدد بود و کسب ایں فن شریف در عنفوانِ شباب نمودہ " (تحریر القدر)

عروض، قافیہ، معنی، بیان اور بدیع میں فائز کو جو مہارت تھی وہ ان کے کلیات کے خطبے سے ظاہر ہے جس میں انھوں نے اِن فنون کے اہم مسائل سے بحث کی ہے - وہ عربی صرف و نحو سے بھی خوب واقف تھے - اپنے زمانے کے نحویوں کی ناقابلیت کا ذکر وہ جس طنزیہ انداز میں کرتے ہیں وہ ذیل کے اقتباس سے ظاہر ہوگا :-

" در پیش نحات ایں عصر کہ در مرتبہ کم از بز اخفش نیستند قواعد نحوی چنیں ثبت است کہ گویند غرض از نحو صیانت از خطاے لفظی است در کلام عرب و مردم ہند محتاج بہ ایں علم نیستند زیرا کہ در زبانِ ہندی غلط نمی کنند و با زبانِ عربی کار ندارند ."

اسی طرح اپنے زمانے کے صرفیوں پر بھی طنز کی ہے اور اس سلسلے میں علمِ صرف کی اصطلاحوں کے تلازمے میں سلطنتِ وقت کی بدنظمیوں

کی طرف اشارے کیے ہیں۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:۔

"در پیشِ صرفیانِ ایں عصر کہ ہیچ یک کم از سیبویہ و زنجانی نیست ضوابط صرف...... بدیں گونہ مبرہن و مبین است کہ گویند صحیح منصبے بود کہ جبلی باشد و غیر سالم طرق و شوارع است کہ از دست متمردانِ ایں عصر مخوف است و اجوف دہات و قریہ ہاست کہ بہ سبب تعدی حکام اہلِ آں فرار شدہ اند و خالیست و ناقص عہود و مواثیق است و لفیف اخبار دروغ است کہ ملفف بہ کذب است و ملتوی کار ملک است کہ اصلاح نمی یابد۔"

فائز کو طب، منطق، فلسفہ اور کلام میں کافی دخل تھا اور اُنھوں نے علمِ طب میں دو رسالے فوائد الصحت اور رسالۂ مالیخولیا کے نام سے لکھے ہیں۔ دوسرے رسالے کے دیباچے میں کہتے ہیں: "در وقتِ تحصیل علوم رسالہ ہائے طب را مطالعہ نمودہ۔" وہ علمِ رَمل اور علمِ قیافہ سے بھی واقف تھے۔ موخر الذکر موضوع پر اُن کا ایک رسالہ بھی ہے جس کا نام ہدایت القصدر ہے۔ اُس کے دیباچے میں لکھا ہے۔ "در عنفوانِ شباب رسالۂ چند در علمِ قیافہ بہ مطالعہ در آمد۔" تاریخ سے فائز کو جو دلچسپی تھی اُس پر اُن کی کتاب ارشاد الوزرا شاہد ہے۔

فائز نے جو علوم حاصل کیے تھے ان کے مسائل اور اصطلاحات اُنھیں اس قدر مستحضر تھے کہ ان کی رعایت اور تلازمے کے ساتھ لمبی لمبی عبارتیں لکھتے چلے جاتے تھے۔ رقعات الصّدر کے مقدمے میں انھوں نے زمانے کی برائیاں، علم کی کساد بازاری اور اہلِ علم کی نایابی وغیرہ کا بہت طولانی بیان رنگین عبارت میں اس طرح کے تلازموں کے ساتھ کیا ہے اور حاشیے پر یہ سرخیاں دی ہیں:۔ الکلام فی الحکم، الکلام فی الریاضی،

الکلام فی الہندسہ، الکلام فی الحساب، الکلام فی الطب، الکلام فی النجوم الکلام فی المنطق، الکلام فی النحو۔ الکلام فی الصرف۔ یہ طولانی عبارت بڑی تقطیع کے بیس صفحوں پر پھیلی ہوئی ہے اور اپنے لکھنے والے کی غیر معمولی علمی استعداد کی شہادت دے رہی ہے۔ فائز نے اپنے بعض خطبوں میں بھی مختلف علوم کا تلازمہ ملحوظ رکھا ہے۔ ان کے جو خط موجود ہیں اُن میں سے ایک صرف و نحو کی، ایک منطق کی اور ایک ریاضی کی اصطلاحوں میں لکھا گیا ہے۔ انھوں نے رقعات الصدر کے مقدمے میں ایک مقام پر علم اور اہلِ علم کی ناقدری کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ مختلف علموں کے بڑے بڑے عالموں کے نام گنے گئے ہیں۔ اِس مقام کی عبارت ذیل میں نقل کی جاتی ہے:۔

"گیرم کہ کسے در نسب علوی بود و در حسب فاطمی، و در قواعد فقہ علامہ حلّیؒ و در فنون عربیہ زمخشری، و در نحو صیرفی و در اخبار ملیحہ اصمعی، و در حکمت در مرتبۂ لقمان، و در زہد سلمان، و در فصاحت سحبان، و ابن بابویہ در علم ادیان، و شیخ الرئیس در علم ابدان، و عاصم در قراأتِ قرآن، و در طب جالینوس، و در نجوم بطلیموس، و در ریاضی مالاناوس، و در ہیئت ثاذ وسیوس، و در لغت مثل صاحب قاموس، و در صرف مثل زنجانی، و در معانی و بیان تفتازانی، و مانند ابن مقلہ در معرفت اقلام، و ابن سیرین در تعبیر رویا و اعلام، و ابن عربی در قواعد صوفیہ، و محقق شریف در قوانین منطقیہ، و مثل سکاکی در تسخیرات، و مثل میر داماد در فلکیات، و مثل شیخ بہائی در فن اعداد، و مثل محقق طوسی

در علم سبدا و معاد در مثل افلاطون در علوم حکمیہ و مثل امام
رازی در فنون کلامیہ (تمتش ؟) بیش تر از خر جہرۂ نخواہد شد یا
اِس عبارت سے بھی فائزؔ کی عام اور وسیع معلومات کا سراغ ملتا ہے۔
فائزؔ کو کتابوں کے مطالعے کا جو شوق تھا اس کا ذکر اُنھیں کی زبان سے اوپر دو تین جگہ کیا جا چکا ہے۔ اس کے علاوہ وہ اپنے ایک خط میں کسی دوست کو لکھتے ہیں کہ "ہر شخص کو کوئی چیز پسند ہوتی ہے۔ مجھ کو کتابوں اور 'طالب علموں' کی صحبت پسند ہے۔" فائزؔ کے اس قول کی تصدیق اُن کے عمل سے ہوتی ہے ان "طالب علموں" کی صحبت اس درجہ پسند تھی کہ امیر الامرا کے یہاں جن 'طالب علموں' کا مجمع رہتا تھا وہ اکثر ایسی گفتگو چھیڑ دیتے تھے جس سے اُن کے مذہبی جذبات کو ٹھیس لگتی تھی۔ مگر اس کے باوجود وہ گاہ گاہ وہاں جاتے ضرور تھے۔
اُن کے شوق مطالعہ کے سلسلہ میں اُن کی اور امیر الامرا کی گفتگو نقل کی جاتی ہے جو امید ہے کہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔ ایک مرتبہ امیر الامرا کے یہاں رویت باری تعالیٰ کے مسئلے پر بحث ہو رہی تھی۔ فائزؔ بھی اس بحث میں شریک تھے۔ اُن کی فلسفیانہ گفتگو سن کر امیر الامرا نے ان سے کہا "کیا آپ حکمت کی کتابوں کا بہت مطالعہ کرتے ہیں؟" فائزؔ نے جواب دیا "اُن کے مطالعے کا شوق تو تھا لیکن اب طبیبوں نے مراق کی بیماری کے باعث مجھے حکمت کی کتابیں پڑھنے سے منع کر دیا ہے۔ اس لئے اِدھر کچھ دنوں سے ان کا مطالعہ ترک کر دیا ہے۔۔ لیکن پہلے جو کچھ پڑھا تھا اُس سے بھی پشیمان ہوں اِس لیے کہ اگلے زمانے میں علم سے آدمی کی عزت ہوتی تھی اور اب اس کا الٹا ہوتا ہے[1]۔" (ترجمہ) معلوم ہوتا ہے کہ اس جواب

---

[1] رسالہ مناظرات۔ مجلسِ ثالث۔

میں در پردہ امیر الامرا پر تعریض کی گئی ہے۔ اس لیے کہ فائز کی نظر میں اُن کی علمی حیثیت کچھ نہ تھی ایک جگہ لکھتے ہیں :-

"امیر الامرا خود علمے نداشت و خود را از متصوفہ و اہل تحقیق میدانست . . . . . . حالانکہ از علم تصوف ہم خبرے نداشت[1]"

فائز نے اس طرح کی تعریض ایک دوسرے موقع پر بھی کی ہے۔ ایک مرتبہ امیر الامرا کے یہاں یہ ذکر نکلا کہ "خدا ہر شخص کو اس کی عقل کے موافق دولت دیتا ہے۔" فائز نے اس بات سے اختلاف کیا اور اثنائے بحث میں مثالاً کہا کہ "اگر ایسا ہوتا تو خان زمان میواتی جو بیل اور گدھے میں فرق نہ کر سکتا تھا ہفت ہزاری اور میر آتش نہ ہوتا۔ خدا کی دین کے لیے قابلیت شرط نہیں ہے بلکہ قابلیت کے لیے خدا کی دین شرط ہے۔" (ترجمہ) یہ لکھ کر فائز کہتے ہیں کہ "امیر الامرا میری بات سمجھ تو گئے مگر مسکرا کر ٹال گئے[2]۔" (ترجمہ)

فائز کا مذہب

علوم دین سے فائز کو خاص شغف تھا۔ ان کی کئی تصنیفوں کا موضوع بھی مذہب ہی ہے۔ ان میں سے ایک کتاب میں پیغمبر عرب کے حالات لکھے گئے ہیں۔ تین رسالوں میں عقائد اور اُصولِ مذہب سے بحث کی گئی ہے۔ ایک رسالے میں امام عصر کے متعلق حدیثیں جمع کی گئی ہیں، ایک کتاب میں واقعاتِ کربلا بیان کیے گئے ہیں، ایک رسالے میں رویتِ باری کے مسئلے سے بحث کی گئی ہے اور ایک رسالے میں مذہبی مناظروں کی رُوداد بیان کی گئی ہے۔ فائز کی یہ تصنیفیں بتاتی ہیں کہ وہ مذہباً اثنا عشری شیعہ تھے اور مذہبیات میں اُن کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ اُن کو حضرت علیؑ سے بڑی عقیدت تھی، جس کا کچھ اندازہ ذیل کے شعروں سے کیا جا سکتا ہے :-

---

[1] رسالہ مناظرات - مجلس ثالث [2] رسالہ مناظرات مجلس ثانی

بغیر نام علی نیست نقشِ سینۂ ما پُرام ز منقبتش چوں سفینۂ اشعار

تا چند یاد روے پری پیکران کنم جز مدح بوتراب نباشد شعارِ من

جملہ صفاتِ نبی بغیر نبوت، ورا او بود علی ولی بندۂ خاصِ خدا

شاہم از بندگیٔ شیرِ خدا مہر و مہ چتر و سائبانِ من است

چوں غلامِ علی شدم فائز ہر چہ بینی ہمہ از آنِ من است

لطفِ حیدر بہ فائزِ مسکین بہتر از عمرِ جاوداں باشد

من سراپا جرم و عصیانم و لے از فضلِ حق
حامیٔ فائز بہ محشر لطف و مہرِ حیدر است

طریقِ عارفاں گر کردہ طے فدائی علیِ مرتضےٰ شو
ہواے نفسِ امّارہ زبون است چو فائز پیرو راہِ ہدیٰ شو

اپنی مثنوی نورسِ خیال میں حمدِ خدا اور نعتِ رسول کے بعد لکھتے ہیں:-

ہمچو او باید مرا او را جانشین جانشین آسماں نبود زمین
غیرِ حیدر کی سزاوار است کس تا تواند گشت با او ہم نفس

زانکہ از یک نور شان خلقت شدہ | آں یکے جان و دگر صورت شدہ
مصطفیٰ و مرتضےٰ را یک شمار | نیستی احول دو بینی واگذار
اہل بینش ہر یکے در راہِ دین | رہنما گردیدہ چوں شمعِ مبین
جزو ایمان است حبِ آلِ او | ہر کرا نبود بدا احوالِ او

فائز کے اُردو دیوان میں بھی حضرت علی کی مدح میں ایک نظم ہے جس کا عنوان ہے "در مدح شاہ ولایت علیہ الصلوٰۃ والسلام"۔

فائز کی عمر فائز کی ولادت اور وفات کی تاریخیں معلوم نہیں اس لیے اُن کی عمر کا صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکتا، اُن کے کلام سے بھی ان کے سن کا حال نہیں کھلتا۔ ایک مثنوی میں انھوں نے جوانی کا گزر جانا، طبیعت کا افسردہ ہو جانا، دنیوی لذتوں سے کنارہ کشی کر لینا، اور موت کا ناگزیر ہونا بیان کیا ہے۔ اس مثنوی کے چند شعر یہ ہیں:-

آہ کہ ایامِ جوانی گزشت | موسمِ اقلیمِ ستانی گزشت
گشت دل افسردہ و خاطر ملول | جائے تواں کرد بہ کنجِ خمول
خندۂ تفریح فراموش شد | آتشِ عشقم ہمہ خاموش شد
دل نکشد گاہ بسوے شکار | از ہمہ خلق گرفتہ کنار
زمزمۂ مطربم آرد ملال | نیست خوش آیندہ چنیں قیل و قال
رقص و طرب گاہ نیاید بیاد | خواہشِ وحدت بہ دلم شد زیاد
ہیچ طرف دل نکشد بہرِ سیر | نہ سوئے مسجدروم و نے بہ دیر
ذوقِ کتاب است ز خاطر بروں | در سرِ من ہست خیالِ جنوں
شمعِ دلِ غمزدہ پژمردہ شد | خاطرِ پُر عیشِ من افسردہ شد

ان شعروں سے معلوم ہوتا ہے کہ فائز بڑھاپے کی سرحد میں ضرور داخل

ہو گئے تھے ۔ کلیات فائز کے خطبے کی ایک عبارت اوپر کہیں نقل کی جا چکی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فائز کا کلام زیادہ تر جوانی کے زمانے کا ہے اور اُس کی تصنیف کے پندرہ برس بعد مصنف نے اس پر نظرِ ثانی کی ہے۔ اب ہم کلّیات کی ترتیب کے وقت فائز کی عمر اگر تیس پینتیس برس کی فرض کریں تو اس پر نظرِ ثانی کرتے وقت اُن کا سن پینتالیس پچاس برس کا قرار پائے گا اِس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ فائز نے بڑھاپے کی ابتدائی منزلوں کی سیر ضرور کی تھی، مگر یہ معلوم نہیں کہ وہ کس عمر تک زندہ رہے۔

فائز کی اولاد

فائز کی اولاد کا کوئی تفصیلی حال تو معلوم نہیں۔ مگر رقعات شیخ علی حزیں میں اُس کے مولف نے چار خط اِس سُرخی کے تحت میں درج کیے ہیں " رقعات کہ بہ میرزا حسن علی خاں المخاطب بہ اشرف الدّولہ بہادر خلف نواب صدر الدین محمد خان نگاشتہ اند" اِس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ فائز کے ایک بیٹے میرزا حسن علی خاں تھے جن کا خطاب اشرف الدولہ بہادر تھا۔ فائز کے فارسی دیوان میں دو قطعے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر عمر میں اُن کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا مگر پیدا ہوتے ہی مر گیا۔"

ایک قطعہ میں گیارہ اور دوسرے میں سترہ شعر ہیں۔ اِن دونوں قطعوں کے تھوڑے تھوڑے شعر یہاں نقل کیے جاتے ہیں :-

بعد عمر از تولّد پسرے — جوش شادی رسید تا افلاک
در نفس ہاچوں حباب آمد و رفت — بہ دمے شد چو طفل اشک ہلاک
این مسافر شبے قیام نہ کرد — آمد و شد رواں بہ عالم خاک
دایۂ مرگ برد در بغلش — ہمچو گنجش گذاشت در تہ خاک

ایزدم داد بعد عمر پسر | شد چو موجود آں بدل پیوند
طرب افزود در دلم ناگاہ | شدم از مقدمش بسے خرسند
جمع گشتند در نفس مردم | شد تحیت زچار سوے بلند
روے امید چوں بدنیا کرد | نظرے جانب زمانہ فگند
چشم فا کرد و دید طور فلک | نہ بدیدہ سا کرد و بار دیگر بہند

فائز کے ضخیم کلیات اور ان کے متعدد رسائل کا حرف حرف کئی کئی دفعہ بڑے غور سے پڑھنے اور تذکروں اور تاریخوں کی ورق گردانی کرنے سے کچھ منتشر کڑیاں ملیں۔ اُن کو مناسب ترتیب سے جوڑ کر ایک فی الجملہ مسلسل بیان پیش کر دیا گیا۔ اُردو کے اس قدیم شاعر کے متعلق سر دست ہماری معلومات کا کل سرمایہ اتنا ہی ہے۔

فائز کی شاعری

فائز کی شاعری کے محرکات

فائز نے فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں شعر کہے ہیں۔ ان کے فارسی کلام کی مقدار اُردو سے کہیں زیادہ ہے اور دونوں زبانوں میں مثنویوں کی مقدار غزلوں سے زیادہ ہے۔ شعر کی اور صنفیں بھی ان کے کلیات میں موجود ہیں مگر وہ مقدار میں بہت کم ہیں۔ ان سب صنفوں کے نام اور ان کے شعروں کی تعداد اوپر لکھی جا چکی ہے۔ ان کی مثنویاں بالعموم چھوٹی چھوٹی اور تعداد میں بہت ہیں۔ اس لیے ان کے موضوعوں

کا شمار طوالت کا باعث ہوگا۔ مختصراً اتنا کہا جا سکتا ہے کہ وہ زیادہ تر خارجی چیزوں سے متعلق اور بیانیہ شاعری میں شمار ہونے کے قابل ہیں۔ مقدار کے لحاظ سے مثنویوں کے بعد غزلوں کا نمبر ہے۔ فائز نے اپنی غزل گوئی کے محرکات خود بتائے ہیں۔ وہ اُنھیں کی زبان سے سنیے:

(۱) "در عنفوانِ شباب مدتے در مزاج دشوخیے در طبیعت بہ مرتبۂ تمام بود۔ معہذا گرفتاریٔ دل و تعلق بہ خوبان طاقتِ گسل علاوہ آں گردیدہ۔ اکثر در وصفِ حُسنِ خوباں شورے و غزلے طرح می شد۔ رفتہ رفتہ مجموعۂ گردید۔" (خطبۂ کلیات)

(۲) "چوں اکثر مطالعہ کتب استاداں می نمود زمینے کہ خوش می آمد۔ دراں فکرِ نظم می نمود۔ بعد مدتے بہ ترغیب یکے از رفقا بہ ترتیب آں متفرقات متوجہ شدہ دیوان مرتب ساخت۔" (خطبۂ کلیات)

ان اقتباسوں میں سے پہلا اُن تمام نظموں سے تعلق رکھتا ہے جن کا موضوع حسن عشق ہے، خواہ وہ غزلیں ہوں، خواہ مثنویاں ہوں، خواہ کسی دوسری صنف کی نظمیں ہوں۔ دوسرا اقتباس غزل سے خاص طور پر متعلق ہے۔ مگر دوسری اصناف سخن پر بھی صادق آتا ہے۔ اِن اقتباسوں سے ضمناً یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ فائز نہ مشاعروں کی طرحوں میں غزلیں کہتے تھے نہ مشاعروں میں اپنا کلام سناتے تھے، اسی کے ساتھ وہ اتنے بڑے شاعر بھی نہ تھے کہ خود گھر میں بیٹھے رہتے اور کلام ان کا شہرت کے پروں سے اُڑتا پھرتا۔ غالباً یہی وجوہ ہیں کہ وہ شاعر کی حیثیت سے غیر معروف رہے اور شعرا کے تذکرے اُن کے ذکر سے خالی رہے۔

فائز اور قصیدہ گوئی

فائز نے قصیدہ گوئی کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی۔ اُن کی خودداری معمولی انسانوں کی مداحی کو، خواہ وہ کسی درجے کے ہوں جائز نہ رکھتی تھی اور صلے کی امید پر شعر کہنے کو وہ ایک طرح کی گدائی سمجھتے تھے۔ اُن کے فارسی دیوان میں اٹھارہ چھوٹے چھوٹے قصیدے ہیں۔ اُن میں سے ایک

خدا کی حمد میں، تین رسول کی نعت میں، اور چودہ حضرت علی کی منقبت میں ہیں زیادہ تر قصیدوں میں صرف آخر کے پانچ سات بلکہ دو چار شعر مدح، مناجات یا دعا کے ہیں۔ باقی کل شعر تشبیب کے ہیں۔ فائز نے اپنے کلیات کے خطبے میں ایک جگہ قصیدہ گوئی کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا ہے:

"میں نے لوگوں کی مدح نہیں کی کہ اس سے گدائی کی بُو آتی ہے۔ قدما اِس معاملے میں مجبور تھے۔ اِس لیے کہ بادشاہوں کی فرمایش سے شعر کہتے تھے یا اُن کی مدح میں تاکہ تقرب کا ذریعہ ہاتھ آئے۔ میں اِن دونوں باتوں سے بری ہوں، کہ اپنی نشانی چھوڑ جانے کے سوا کوئی غرض اور مطلب نہیں ہے۔ بادشاہِ حقیقی کے سوا کوئی مدح کے قابل نہیں ہے۔ یا ائمہ ہدا کی مدح کرنا چاہیے کہ موجبِ ثواب اور کارِ خیر ہے۔ دنیوی اغراض کے لیے اپنے مثل کو سراہنا عقل کے نزدیک مستحسن نہیں ہے۔ ہاں حسینوں کی تعریف کرنا اور ان کے خط و خال کے وصف میں مبالغہ کرنا تیزیِ طبع کا باعث، اور اہلِ دل کے نزدیک جائز ہے۔" (ترجمہ)

اسی خطبے میں ایک دوسرے مقام پر فائز نے قصیدہ گویوں کو حسبِ ذیل ہدایتیں کی ہیں:-

"فقیر کے اعتقاد میں لوگوں کی مدح کرنا درا‌صل مذموم ہے۔ تاہم اگر شاعر مدح گوئی شروع کرے تو اِن چند باتوں کا لحاظ رکھے۔ اول یہ کہ ممدوح کے قابل مدح کرے۔

مثلاً بادشاہوں کو خواجہ ۔ مہتر یا کسی ایسے لفظ سے یاد نہ کرے جو ان کے مرتبے سے پست ہو اور امیر کو ملک یا سلطان نہ کہے ۔ علما کی مدح علم و فضل و ورع کے ساتھ کرے نہ کہ شہامت اور شجاعت کے ساتھ ۔ بر خلاف اہلِ شمشیر کے کہ اُن کی تعریف تسلط ، غلبہ اور شہامت کے ساتھ کرنا بہتر ہے ۔ مردوں کی مدح میں حسن و جمال کا ذکر نہ کرے ، مگر کمالاتِ نفسانی کے ضمن میں مثلاً کہے کہ حسنِ صورت اور نیکی سیرت دونوں رکھتا ہے . . . .
قدیم شاعر خلفا اور ملوک کی مدح میں سخاوت اور شجاعت کا ذکر کچھ بہت پسند نہیں کرتے تھے ۔ اگرچہ اس کا رواج ہے کیوں کہ بادشاہوں کے لیے سخاوت ناگزیر ہے ، ایک عالم اُن سے بہرہ ور ہوتا ہے ۔ اور شجاعت اُن کے لشکر کے لیے لازم ہے ۔ پس اُن کی سب سے بہتر خوبیاں ہیں انصاف اور ورع اور کمالاتِ نفسانی اور اُن کے خوف اور سیاست کے باعث فتنوں کا دفعیہ اور ملکوں کی آبادی کوئی ایسی چیز جس کا ممدوح پر الزام یا اتہام ہو کبھی نہ لائی جائے ۔ نہ صراحتہً نہ کنایتہً ۔ عورتوں کی مدح میں حسن سخاوت اور خلق کی تعریف نہ کی جائے بلکہ عفت اور عصمت کی تعریف اولا ہے ۔ قصیدے کی ابتدا مبارک اور مسعود لفظوں سے آراستہ ہونا چاہیے اور منحوس اور نفی کے لفظوں (مثلاً نیست ، نباشد ، نبود) سے دور ، کیوں کہ یہ بدشگونی ہے ۔

جو مدح سب سے زیادہ زبردست ہو اُس کو آخر میں لانا چاہیے
اور کوشش کرنا چاہیے کہ قصیدے کا آخری حصہ نہایت مطبوع
اور شاعر کی غرض پر مشتمل ہو اور اس کے لفظ فصیح اور معنی
بدیع ہوں۔ کیوں کہ وہ سننے والے کی سماعت سے
قریب العہد ہوتا ہے۔ وہ اُس سے مدت تک لطف اٹھاتا
ہے اور اُس کو بھولتا نہیں۔ اُن لفظوں سے بچنا چاہیے
جو مدح اور ذم میں مشترک ہیں جیسے لفظ سوِر کہ خوشی
اور غم دونوں کے لیے آیا ہے" (ترجمہ)

جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے فائز نے صرف مذہبی پیشواؤں کی مدح میں چند چھوٹے چھوٹے قصیدے کہے ہیں۔ دنیاداروں کی مدح میں کوئی قصیدہ نہیں کہا ہے۔ اس لیے یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ دوسرے قصیدہ گویوں کو اُنھوں نے جو ہدایتیں کی ہیں اُن پر وہ خود کس حد تک عمل کر سکے۔ مگر ان ہدایتوں سے اتنا فائدہ ضرور حاصل ہوتا ہے کہ قصیدے کے متعلق فائز کا معیارِ تنقید معلوم ہو جاتا ہے۔

فائز کی صداقت پسندی

فائز سچے آدمی تھے اور سچائی کے دل دادہ۔ وہ شاعری میں بھی جھوٹ کو جائز نہ رکھتے تھے۔ گویا وہ عرب کے اُس شاعر کے ہم نوا تھے جس کا یہ قول مشہور ہے کہ سب سے اچھا شعر وہ ہے جس کو سن کر لوگ کہیں کہ سچ کہا۔ وہ اپنے کلیات کے خطبے میں کہتے ہیں:۔

"مجھ کو باکمال شاعروں پر تعجب ہوتا ہے کہ جھوٹی کہانیاں
اور غلط باتیں کیوں نظم کرتے ہیں" (ترجمہ)

زرا آگے بڑھ کر پھر کہتے ہیں :-

"عقل مند آدمی کو کیا ضرورت ہو کہ جھوٹی باتیں نظم کرنے میں اوقات صرف کرکے اپنے کلام کو عاقلوں کی نظر میں بے قدر کرے اور جاہلوں کو گمراہی میں مبتلا کرے، کیوں کہ وہ اِن باتوں کو سچ سمجھ لیتے ہیں۔ اگر خدا کسی کو موزوں طبیعت عطا کرے تو وہ سچی باتیں اور سچی حکایتیں کیوں نہ نظم کرے کہ جھوٹی باتوں میں مشغول ہوکر اپنے کلام کو بے رتبہ بنا دے۔" (ترجمہ)

اس سلسلے میں فردوسی، نظامی، اور جامی کے کذب، بہتان اور مبالغے کی مثالیں دینے کے بعد فائز کہتے ہیں کہ شاہ نامہ، سکندر نامہ، لیلیٰ مجنوں، خسرو شیریں، نل دمن، وغیرہ میں اگر ایک سچ ہو تو دس جھوٹ ہیں۔ اپنے اصول کے مطابق فائز اپنی شاعری میں جھوٹ سے بچتے ہیں۔ حد سے گزرے ہوئے مبالغے سے کام نہیں لیتے۔ لفظوں کی مناسبت پر کلام کی بنیاد نہیں رکھتے اور خیالی مضامین کے طلسمی گل دستے نہیں بناتے وہ جو کچھ آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ کانوں سے سنتے ہیں، اور دل سے محسوس کرتے ہیں اُسی کو اپنی شاعری کا موضوع قرار دیتے ہیں۔

فائز کے کلام میں بے ساختگی

فائز کے کلام میں غور و فکر کے آثار نہیں پائے جاتے ہیں۔ نہ وہ مضمون کی تلاش میں کوئی خاص کوشش کرتے ہیں، نہ لفظوں کے انتخاب میں غیر معمولی کاوش۔ سیدھی سیدھی باتیں سادے سادے لفظوں میں کہتے چلے جاتے ہیں۔ اُن کی راستی پسند طبیعت نے اپنے کلام

کی اس خصوصیت کا خود اعتراف کر لیا ہی اور کلیات کے خطبے میں انھوں نے صاف صاف کہہ دیا ہی کہ میں نے دوسرے شاعروں کی طرح مضمون کے لیے کوشش اور فکر کبھی نہیں کی۔ شوق کے غلبے میں جو کچھ دل میں آیا بے توقف لکھ دیا چناں چہ ایک ایک دن میں سوا سوا سو شعر اور طبیعت حاضر ہوئی تو اس سے بھی زیادہ کہہ ڈالے۔ اُن کے اصل الفاظ یہ ہیں:۔

"این ہیچ مداں ہرگز بہ دستور شعرائے دیگر سعی و فکر برائے مضمون نکرد۔ در غلبات شوق انچہ بہ خاطر رسید بے توقف تحریر نمود چناں چہ اکثر در روزے صد و بیت و زیادہ ازآن کہ دماغ چاق می بود گفتہ می شد۔"

فائز نے اپنے کلام کی بے ساختگی کا ذکر ایک شعر میں بھی کیا ہی اور اس طرح کیا ہی جس سے معلوم ہوتا ہی کہ وہ اس کو کلام کی ایک پسندیدہ صفت سمجھتے تھے۔ وہ شعر یہ ہی:۔

فائز چہ خوش آیند سخنہائے تو مارا　　بے ساختہ باشد غزل و شعر تو یکسر

فائز کی سادگی پسندی کا اظہار اُن کے اس شعر سے بھی ہوتا ہی:۔

سرمہ انکھیاں میں لگایا نہ کرو　　حسنِ بے ساختہ بھاتا ہی مجھے

فائز اور شعر کے محاسن

فائز اپنے کلیات کے خطبے میں مختلف اصنافِ سخن کا بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

"تمام اقسام شعر میں چاہیے کہ نظم بدیع ہو قافیے درست ہوں، معنی لطیف ہوں، الفاظ شیریں ہوں، عبارت صاف ہو۔"

یعنی اس کے سمجھنے میں دقت نہ ہو، بیان میں تکلف نہ ہو۔ حروفِ زائد سے پاک ہو اور الفاظ صحیح ہوں۔ شاعر کے لیے لازم ہے کہ نظم کے طور و ترکیب کو پہچانتا ہو۔ تشبیہ کے قاعدوں، استعارے کی قسموں اور زبان کے محاوروں سے واقف ہو، قدما کی تاریخ اور نظم سے باخبر ہو اور حکما کے کلام کا تتبع کرے اور اپنی طبع سلیم سے جزیل اور رکیک لفظوں میں امتیاز کرے اور چھوٹی تشبیہوں، مجہول اشاروں، ناپسندیدہ ایہاموں، غریب وصفوں، بعید استعاروں، نادرست محاوروں اور نامطبوع تکلفوں سے پرہیز کرے۔" (ترجمہ)

شاعروں کے لیے فائز نے جو ہدایتیں کی ہیں اُن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کی پوری توجہ صرف صحتِ زبان اور حسنِ بیان کی طرف ہے، نفسِ شاعری کی طرف بالکل نہیں ہے اور ایک اُنھی پر کیا منحصر ہے اُن کے زمانے کا حال یہی تھا کہ جو کلام معنی و بیان، بلاغت و بدیع، صرف و نحو، عروض و قافیہ کے اعتبار سے جس قدر بے عیب ہو اُسی قدر اچھا سمجھا جاتا تھا۔ شاعری کی حقیقت اور اُس کے موضوع و مقصد کے متعلق واضح تصورات لوگوں کے ذہن میں نہ تھے۔ یہ چیزیں ذوقی اور وجدانی سمجھی جاتی تھیں جن کا اظہار لفظوں میں ناممکن تھا۔ اُس زمانے کے حالات کے مطابق فائز کے پیشِ نظر بھی شعر کا کوئی بلند معیار نہیں ہے۔ نہ اُن کے سامنے شاعری کا کوئی مقصد ہے، جو ہدایتیں اُنھوں نے دوسرے شاعروں کو کی ہیں اُن پر اپنی استعداد کے موافق کاربند ہونے کی

خود بھی کوشش کی ہے۔

فائز کے فارسی کلام کا نمونہ

فائز کے فارسی کلام کا کچھ اندازہ ذیل کے نمونوں سے کیا جا سکتا ہے۔ ان کی مثنویوں کے کئی اقتباس اوپر جا بجا نقل کیے جا چکے ہیں۔ اس لیے یہاں غزلوں کے شعر پیش کیے جاتے ہیں:-

بہ رہِ عشق تا قدم زدہ ایم — پشت پائے بہ ملکِ جم زدہ ایم
ہر دم از نالۂ جہاں آشوب — در صفِ عاشقاں علم زدہ ایم
محوِ یاریم و آرزوئے نیست — بر خطِ مدعا قلم زدہ ایم
سخنِ ماست جملہ درد آلود — فائز از جوشِ عشق دم زدہ ایم

ز دلِ خرابِ عاشق چہ غم ای نگار داری — تو کہ دل بکس ندادی بہ غمش چہ کار داری
نہ بہ خانہ نی بہ گلشن نہ سر رہت بیابم — چو دلِ رمیدۂ من تو کجا قرار داری
دلم از وزیدنِ تو چو گلِ چمن شگفتہ — مگر ای نسیمِ گلشن خبرے ز یار داری

باخمارِ رینِ نگہے من سرو کارے دارم — خار در سینہ ز مژگانِ نگارے دارم
روزگاریست بحیرت سرو کارے دارم — ہم چو آئینہ نظر بر رخِ یارے دارم
گر تو با پیرِ مغاں زدی زدۂ رطلِ گراں — من ہم از بادۂ چشمِ تو خمارے دارم

گرچہ در بزمِ تو گفتند ز ہر جا سخنے — کاش میگفت کسے ہم ز دلِ ما سخنے
روئے دل با دگرے داشتی و چشم بما — نواں کہ با خود سخنے گفتی و با ما سخنے

ہر لحظہ ام بہ فکر تو سودائے دیگر است   من جائے دیگر و دلِ من جائے دیگر است
غنچہ حیران زدہانت کہ تبسم انیست   طوطی از حرفِ تو خامش کہ تکلم انیست

دوش دیدم کہ بہ گلشن نوخرامے داری   دم بہ دم با گل و شبنم مے وجامے داری

در گلستاں تا در سنگے کردہٗ   ہر نفس گل را بہ رنگے کردہٗ

من کہ در سینہ دل از آتشِ غم سوختہ ام   در شبستانِ تو شمعِ دگر افروختہ ام

یار را شمعِ انجمن دیدم   صرفۂ خویش سوختن دیدم

شرمندہ شد ز عارضِ تو لالہ زار ہا   حیرانِ ایں گل اند بہ عالم بہار ہا

نو بہار آمد ز گل پیدا بہ ہر سو ساغر است   رنگِ گل در چشمِ مستاں چون شرابِ احمر است

نورِ شمع و رنگِ گل چوں در رُخِ جانانہ است
عاشق بےچارہ گہ بلبل گہے پروانہ است

ہست آبادی آئینہ زعکسِ رخِ تو   جز خیالت کہ دہد نور بہ ویرانۂ ما

دل در شکنِ زلفِ تو از سینہ کند یاد   با شاطرِ شام غریباں یادِ وطن ہا

ہر کسے در گوشۂ اندر خیالے سرخوش است بلبل اندر گلستاں خوش چغد در ویرانہ ہا

سر بر اوجِ فلک از بسکہ بہارِ نو کشید گلِ خورشید سبزو گوشۂ دستارِ ترا

اقلیم جنون را نبود آفت ویرانم در مملکتِ عشق زخوباں خطرے ہست
ملک دل سر بسر از فیض سخن آباد است زاں کہ در کشورِ معنی غمِ ویرانی نیست
خیرہ بر روے تو نظر نہ کنم بر سرت ہست چہرۂ زرتار
مزن ایں ناوکِ مژگاں بسوے سینۂ ما کہ ترا در دلِ دیوانۂ ما جا باشد

اب فائز کی چند رباعیاں ملاحظہ ہوں :۔

از عشقِ تو سوختیم ماخرمنِ خویش چون شعلہ زدیم دست بردامنِ خویش
مارنجہ زطبع نکتہ فہم خویشم چوں ما نہ بود ہیچ کسے دشمنِ خویش

یک چند بعقل و ہوش مقروں گشتم یک چند چو خم نشینِ فلاطوں گشتم
دیدم چو نشد ہیچ ازاں حاصلِ من از خویش بروں رفتم و مجنوں گشتم

با صلح درآویز و در جنگ مزن بر دامن ایں و آن عبث چنگ مزن
خواہی نشوی شکستہ دل اندر دہر بر شیشۂ خاطر کسے سنگ مزن

فائز کا اُردو کلام

فائز کی تصنیفوں کے سلسلے ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ ان کا اُردو دیوان کن اصنافِ سخن پر مشتمل ہے اور اُن کے اُردو کلام کی مقدار کیا ہے۔ فائز کی شاعری پر ایک مختصر عمومی تبصرہ بھی کیا جاچکا ہے۔ اب اُن کے اُردو کلام پر ذرا گہری نظر ڈالی جائے گی اور اُن کی شاعری کی خصوصیتیں کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کی جائیں گی۔

فائز کی غزلیں

فائز کی غزلوں کا عام موضوع ظاہری حسن ہے یا مجازی محبت۔ خدائی محبت کا تو شاید کہیں ذکر ہی نہیں، انسانی محبت کا تصور بھی کچھ بلند نہیں ہے۔ اُن کے یہاں جس محبت کا بیان ملتا ہے وہ وہی ہے جسے ہوس یا حسن پرستی کہہ سکتے ہیں، عشق کے نام سے تعبیر نہیں کرسکتے۔ شاید دو ہی چار شعر ہوں گے جو عشق کے اعلیٰ تصور پر مبنی ہوں۔ مثلاً

خاک سیتی سجن اٹھا کے کیا عشق تیرے نے سر بلند مجھے

اسی طرح فائز کی غزلوں میں دو چار شعر ایسے بھی مل سکتے ہیں۔ جن میں حسن و محبت کے علاوہ کوئی اور مضمون باندھا گیا ہو۔ مثلاً

جاگیر اگر بہت نہ ملی ہم کو غم نہیں حاصل ہمارے ملکِ قناعت کا کم نہیں
ظاہر کے دوست آتے نہیں کام وقت پر تلوار کاٹ کیا کرے جس کو جو دم نہیں

محبوب کی توصیف اور محبت کے اظہار میں وہ محبوب سے براہِ راست خطاب کرتے ہیں۔ بعد کے شاعروں نے غزل میں معشوق کا ذکر اکثر ضمیرِ غائب

کے ساتھ کیا ہے۔ لیکن فائز کی غزل 'سخن از معشوق گفتن' کا نہیں بلکہ 'سخن بہ معشوق گفتن' کا مصداق ہے۔

شمالی ہند میں اردو غزل گوئی کا ابتدائی دور ایہام گوئی کا زمانہ سمجھا جاتا ہے لیکن فائز کو ایہام گوئی کا شوق نہ تھا۔ وہ اپنے کلام کی بنیاد بالعموم دُہرے معنوں کے لفظوں اور فقروں پر نہیں رکھتے ہیں۔ تاہم کبھی کبھی صنعتِ ایہام سے کام لیتے ہیں۔ ان کی زبان میں وہ سادگی، نرمی اور لوچ ہے جو غزل کے لیے ضروری ہے۔ وہ اپنا مطلب تمثیل کے پیرائے میں یا استعارے کے پردے میں بیان نہیں کرتے۔ جو کچھ کہنا ہوتا ہے سیدھے سادھے بے تکلف انداز میں کہہ دیتے ہیں مگر اسلوبِ بیان کچھ ایسا اختیار کرتے ہیں کہ اُن کی سادی سادی باتیں بھی لطف اور اثر سے خالی نہیں ہوتیں۔

آزاد مغفور دہلی کے دورِ اوّل کے اُردو شاعروں کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"اُن بزرگوں کے کلام میں تکلف نہیں۔ جو کچھ سامنے آنکھوں کے دیکھتے ہیں اور اُس سے دل میں جو خیالات گزرتے ہیں وہی زبان سے کہہ دیتے ہیں۔ ایچ پیچ کے خیال، دُور دُور کی تشبیہیں، نازک استعارے نہیں بولتے۔ اِس واسطے اشعار بھی صاف اور بے تکلف ہیں۔ . . . .

"اِس میں شک نہیں کہ اُن کے محاورات قدیمی اور مضمون بھی اکثر سبک اور متبذل ہوں گے۔ مگر کلام کی سادگی اور بے تکلفی ایسی دل کو بھلی لگتی ہے جیسے ایک حسنِ خداداد ہو کہ اس کی قدرتی خوبی ہزار بناؤ سنگار کا کام کر رہی ہے۔"

(آبِ حیات)

آزاد کا یہ بیان فائزؔ کے کلام پر حرف بہ حرف صادق آتا ہے۔ مثال کے لیے ایک غزل کے چند شعر ملاحظہ ہوں:۔

تری گالی مجھ دل کوں پیاری لگے　　دعا میری تجھ من میں بھاری لگے
تدی قدر عاشق کی بوجھے سجن　　کسی ساتھ اگر تجھ کوں یاری لگے
بھواں تیری شمشیر و زلفاں کمند　　پلک تیری جیسے کٹاری لگے
نہ جانوں تو ساقی تھا کس بزم کا　　نین تیرے مجھ کوں خماری لگے

وہی قدر فائزؔ کی جانے بہت
جسے عشق کا زخم کاری لگے

چند متفرق شعر اور سنیے:۔

جب سجیلے خرام کرتے ہیں　　ہر طرف قتلِ عام کرتے ہیں
مرغِ دل کا شکار کرنے کوں　　زلف و کاکل کو دام کرتے ہیں

گلِ باغِ جنوں ہے رسوائی　　عزتِ ملکِ عشق خواری ہے
خونِ دل بادہ و جگر ہے کباب　　نغمۂ بزمِ وصل زاری ہے
لیلیٰ مجنوں کا ذکر سرد ہوا　　اب تمھاری ہماری باری ہے

یار میرا میانِ گلشن ہے　　غرقِ خوں پھول تا بدامن ہے

دورِ اول کے اور شاعروں کی طرح فائزؔ کی غزلوں میں بھی درد و الم، سوز و گداز، رندی و مستی، جوش و خروش کم ہے۔ لیکن محبوب کی اداؤں کے بیان اور عاشق کی محبت کے اظہار میں کبھی کبھی اُن کے کلام میں گرمی پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً

مجلس میں عاشقوں کی انداز ہی سراپا　　ترچھی نگاہ کرنا کترا کے بات سننا

بعض لوگ غلط فہمی سے اُردو غزل پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں معشوق مذکر ہوتا ہی۔ لیکن فائزؔ کے یہاں معشوق کی نسوانیت بالکل ظاہر ہی۔ وہ اس کو کبھی کبھی نارؔ کے لفظ سے یاد کرتے ہیں جس کے معنی ہیں عورت اور اس کی ساری اوڑھنی وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً

سورج کا جلانے کوں جگر جیوں دلِ فائزؔ
اۓ نار تو کیوں دھوپ میں سر کھول کھڑی ہی

تجھ بدن پر جو لال ساری ہی　　عقل اس نے مری بساری ہی

اوڑھنی اودی پر کناری زرد　　گرد شب کے سورج کی دھاری ہی

مگر کبھی کبھی وہ مردانہ حسن کا بیان بھی کرتے ہیں اور اس سلسلے میں قبا اور چیرہ یعنی پگڑی کا ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً

کیا خوب ترے سر پہ لگے چیرۂ سالو　　کیا زیب دیوے لبمہ تری سبز قبا پر

کرناں کا بنا ہی نور رخ سوں　　چیرہ ہی جو سر پہ تجھ زری کا

فائزؔ کی غزلوں کے اس مختصر مجموعے میں کئی غزلیں ایسی ہیں جن کا موضوع شروع سے آخر تک ایک ہی یعنی وہ غزل کی شکل میں مسلسل نظمیں ہیں وہ غزلیں یہاں نقل کی جاتی ہیں اور ہر غزل کا عنوان تجویز کر کے اس پر درج کیا جاتا ہی :-

---

ایّامِ محبّت کی یاد

جان ایام دل بری ہے یاد — سیرِ گل زار دمی خوری ہے یاد
دیکھتا نہیں سورج کوں نظراں بھر — جس کوں تجھ جامۂ زری ہے یاد
خوب پھولی تھی باغ میں نرگس — گُلِ صد برگ و جعفری ہے یاد
وہ چراغاں وُہ چاندنی کی رات — سیرِ ہت پھول و پھلجھری ہے یاد
وہ تماشا و کھیل ہولی کا — سب کے تن رخت کیسری ہے یاد
ہو دیوانہ جنگل میں کیوں نہ پھرے — جس کو وہ سایۂ پری ہے یاد
ای سیہ مست! میری انکھیوں کے — لال بادل کی نجھ جھری ہے یاد؟
جب تمن پاس فائز آیا تھا — بات کہنا بی سرسری ہے یاد

جذبۂ بے باک

منھ پھول سو رنگین تھا دساری تھی اس ہری
کھترانی ایک دیکھی میں پنگھٹ میں جیوں پری
چیری ہیں اُس کی اُرلبسی رنبھا و رادھکا
پرکھبو نے دیکھا بنائی نہیں ویسی دوسری
میں نے کہا کہ گھر چلے گی میرے ساتھ آج
کہنے لگی کہ ہم سوں نہ کر بات تو اجری
دھک جا کے اُس کی بانہہ کو پکڑا میں ہاتھ سوں
کہ بیٹھی جادی مارے کرتا ہے مسخری

چوما لیا اُدھر بر اُسے جب لگا کے گل
کہنے لگی مغل کی یہی ریت ہی بُری
کم دیکھی فائزؔ ایسی حُسن میں میں ہنرتی
بتیں برکھ برکھ ز غنیم او گھری گھری

قیدِ اُلفت

زلف تیری ہوئی کمند مجھے
اُس میں باندھا ہی بند بند مجھے
خاک سیتی سجن اٹھا کے رکھیا
عشق تیرے نے سر بلند مجھے
نہیں جگ بیچ اور اے دل بر
وصل بن تیرے سود مند مجھے
میں گرفتار ہوں ترے مکھ پر
جگ میں نہیں اور کچھ پسند مجھے
فائزؔ اس طور سے ہوا ہی ملول
توں جلاتا ہی جیوں سپند مجھے

عالمِ فراق

مجھ پاس کبھی وو قد شمشاد نہ آیا
اس گھر منے وو دل بر استاد نہ آیا
گلشن مری انکھیاں میں لگے گلخن دوزخ
جو سیر کو مجھ ساتھ پری زاد نہ آیا
سانجھ آئی دیو دن بی ہوا فکر میں آخر
وو دلبر جادو گر صیاد نہ آیا
آیا نہ ہمن پاس کیا وعدہ خلافی
فائزؔ کا کچھ احوال مگر یاد نہ آیا

اوصافِ محبوب

خوباں کے بیچ جاناں ممتاز ہی سراپا
انداز دل بری میں اعجاز ہی سراپا

پل پل مٹک کے دیکھے ڈگ ڈگ چلے لٹک کر — وہ شوخ چھل چھبیلا طنّاز ہی سراپا
ترچھی نگاہ کرنا ، کترا کے بات سننا — مجلس میں عاشقوں کی انداز ہی سراپا
نینوں میں اس کی جادو زلفاں میں اس کی پھانڈا — دل کے شکار میں وہ شہباز ہی سراپا
غمزہ، نگہ، تغافل ، انکھیاں سیاہ چنچل — یارب نظر نہ لاگے انداز ہی سراپا

فائز کے کلام میں مقامی رنگ

اُردو شاعری پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ وہ مقامی رنگ سے خالی ہے۔ مگر فائز کا کلام اس اعتراض کی رُو سے دُور ہے۔ وہ تشبیہوں، استعاروں اور تلمیحوں میں خاص ہندستانی چیزوں سے کام لیتے ہیں۔ مثلاً پلک کو کٹاری سے، نرم، نازک، گول باہوں کو کنول کی ڈنڈی اور کیلے کے گابھے سے، بڑی بڑی آنکھوں کو کنول کے پھول سے، سوتواں ناک کو چمپے کی کلی سے، دل کش رفتار کو مور اور مست ہاتھی کی چال سے تشبیہ دیتے ہیں۔ ان تشبیہوں کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:-

بھواں تیری شمشیر و زلفاں کمند — پلک تیری جیسی کٹاری لگے

کنک سوں صفادار ہے وہ بدن — کنول ڈال سے ہاتھ گل سے چرن

کیلے کے گابھے سے ملائم وو ہات — دیکھ کے مرجھاتے تھے کیلے کے پات

دو اُدھر تیرے ہیں جیوں امرت پھل — شیرینی میں ہی مگر شان عسل

رنگ سوں ہیں پیرہن سب گل سے لال — نین ہیں رنگیں کنول سے از گلال

نین دو کنول اور دو گل ہیں گال　　　　گل چمپے کی ناک کو ہو مثال

ترچھی نظروں سے دیکھنا ہنس ہنس　　　　مورسے چال تجھ نیاری ہو

بتے ہاتھی سی چلتی تھی زجو بن　　　　نہ آہٹ پاتے گر بجتی نہ پیجن

ہندی شاعری کے اتباع میں وہ معشوق کا استعارہ چاند سے اور عاشق کا چکور سے کرتے ہیں :۔

ان چکوروں سے دور رہا ہو چاند　　　　قول عشاق کا نمازی ہو

ملتے ہو سب کی جاکے گھر اور ہم سے ہو کنار　　　　کچھ ہم تو ان چکوروں سے اے ماہ کم نہیں

فائز ہندوؤں کے مذہبی عقیدوں اور معاشرتی طریقوں کی طرف اکثر اشارہ کرتے ہیں۔ مثلاً بالوں کی لٹوں کو سہس ناگنی، جوڑے کو کنھیا کا گیند، خوب صورت عورت کو اندر کی اپسرا، حسینوں کے مجمع کو اندر کی سبھا، شب ہجر کے ایک پل کو برمھا کی گھڑی قرار دیتے ہیں۔ ذیل کے شعر ملاحظہ ہوں :۔

جوڑا نہیں گیند ہو کنھیا کی　　　　یا سہس ناگنی ہو دریا کی

ہر اک پنہار واں اک اپچھراتی　　　　کنویں کے گرد اندر کی سبھاتی

اپچھرا اندر کی سوں تھی خوب تر　　　　حسن اس کا تھا پری سوں بیش تر

دل فریبی کی ادا اُس کی انوپ ‎ رُوپ میں تھی رادھکا سوں بھی سروپ

چھبی ہیں اُس کی اُرلسی رمبھا ورادھکا ‎ پر بھونے دِپرا بنائی نہیں ویسی دوسری

ہی اندر کی مانو سبھا جلوہ گر ‎ کہ ہر نار دستی ہی رمبھا سوں در

ای جاں شب ہجران تری سخت بڑی ہی ‎ ہر پل نگر اس نس کی برمہا کی گھڑی ہی

اسی طرح رام رام کرنا ، نمو نرائن کہنا، تپ یا تپسیا کرنا، وغیرہ یہ چیزیں بھی فائز کے یہاں نظر آتی ہیں۔ مثلاً

خوب رُو آشنا ہیں فائز کے ‎ مل سبھی رام رام کرتے ہیں

جب کرے تپ سورج کی ہٹاڑی رہ ‎ چرخ منہوڑسے ڈنمو نرائن کہ

رہ کھڑا اک پانوں پر بگلا ‎ ہی تپستی وہ بجہ جوبن کا

فائز کے کلام میں صنعتیں، تشبیہیں اور استعارے

فائز نے اپنے کلیات کے خطبے میں لکھا ہی کہ "شاعر کا کمال صنائع شعریہ پر موقوف ہی۔ ہر شخص جو فی الجملہ موزوں طبع ہی اور مہمل شعر کہہ لیتا ہی وہ اپنے کو شاعر علامہ سمجھ لیتا ہی حالانکہ ایسا نہیں ہی بلکہ شاعر کی استعداد صنائع میں ظاہر ہوتی ہی۔" یہ لکھنے کے بعد فائز نے بہت سی صنعتوں کا بیان کیا ہی اور تمام صنعتوں کی مثالوں میں اپنے شعر پیش کیے ہیں۔ اس طرح انھوں نے اپنی قادرالکلامی

کا ثبوت دے دیا ہی اور بہ قول خود شاعری کا کمال دکھادیا ہی مگر جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں فائز کی زبان سلیس اور بیان بے تصنع ہی۔ وہ صنعتوں کا التزام نہیں کرتے ہیں۔ مگر کہیں کہیں کوئی صنعت اُن کے یہاں نظر آجاتی ہی۔ مثلاً

اگر گرد دامن کناری لگے ہووے سروبا زار دامن کا دیکھ

ٹک نہ ہواس دل تاریک سوں ای بدر بدر ایک پل جا نہ کہیں نین سوں ای نورِ بصر

دامن اور دامَن، بدر اور بَدَر میں تجنیسِ محرف ہی۔

ہرگز نہیں اس طائر اندیشہ خطا پر تجھ دام میں ای آہوے چین بنا ہی فائز

کرے رات دن جانِ شیریں فدا تجھے دیکھ فرہاد ای خوش ادا

چین اور خطا، فرہاد اور شیریں میں ایہام تناسب ہی۔

چھاے مرے دل پہ غمام غموم لشکر سودا نے کیا ہی ہجوم

غمام اور غموم میں تجنیسِ لاحق اور شبہ اشتقاق ہی۔

تجھے دراز اُس مو کمر کے سر کے بال کنج لب پراس کے تھا زیبندہ خال

مو، کمر، سر، بال میں مراعات النظیر ہی۔

یاد تیرا مگر سمندر ہی عشق کی آگ میں رہے دن رین

نگر اور سمندر میں ایہام تناسب ہی

گل ہوا اس غنچہ لب کے آگے لال دو اُدھر تھے اس گے جیوں یاقوت لال

لال اور لال میں تجنیسِ تام ہی۔

اُس کا مجھے عشق ہوا فرض عین مرگ سے اس حور لقا کو تھے نین

لے جاتی ہیں جیوں اپچھرا جی کو چھل — کہ دیکھ ان کوں پانی میں جی جائے جل

تین اور عین، پانی اور جل میں ایہام تناسب ہے۔

تیری اس صبح بنا گوش وخط شکیں سوں — سیر کرتا ہوں عجب شام وسحر شام وسحر

یہاں شام وسحر کی تکرار دو معنوں میں ہے۔ ایک معنی میں شام وسحر اسم مفعول ہیں اور دوسرے معنی میں ظرفِ زمان۔

تشبیہ اور استعارے کے استعمال میں فائز خاص امتیاز رکھتے ہیں وہ مقررہ استعاروں اور رسمی تشبیہوں پر قناعت نہیں کرتے بلکہ اپنے مشاہدے سے نئی تشبیہیں اور نئے استعارے پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً

چاند جیسا ہے شفق بھیتر عیاں — چہرہ سب کا از گلال آتش فشاں

یعنی روشن چہرے پر گلال ملا ہوا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شفق کے اندر سے چاند نمودار ہے۔

ایک حسین جوگن کے متعلق لکھتے ہیں :۔

نہیں چھپا تن بھبھوت میں سارا — راکھ میں حسن کا ہے انگارا

یعنی جوگن کے بدن پر بھبھوت نہیں ملی ہوئی ہے بلکہ حسن کا انگارہ راکھ میں چھپا ہوا ہے۔

ایک حسین میوے والی کی تصویر یوں کھینچتے ہیں :۔

پھرتی ہے وہ سورج سی دن کوں دردر — میواں سوں لے سر پہ تارے چندر

یعنی میوؤں کے چاند تارے سر پر رکھ کر وہ سورج کی طرح دن بھر گھر گھر پھرا کرتی ہے۔

سب چکورے بھنگیڑ خانے پر — جیسے کوّے ہیں آشیانے پر

یعنی جس طرح شام کو بسیرے کے وقت بہت سے کوّے ایک جگہ

جمع ہو کر خوب شور کرتے ہیں۔ اسی طرح اوباش لوگ بھنگڑ خانے میں جمع ہو کر غل غپاڑا مچا رہے ہیں۔ ایک دوسرے مقام پر کہتے ہیں کہ بھنگیڑ خانے میں سلقے، لفنگے جمع ہیں۔ اُن میں کچھ ایسے لوگ بھی کھڑے ہوے ہیں جن کے بدن پر کپڑے تک نہیں ہیں۔ ان لوگوں کو شمع سے تشبیہہ دے کر اُن کی بے سروسامانی کا نقشہ کھینچ دیا ہے۔ کہتے ہیں :-

خناری اور بازاری اس سنگت میں جمع　　ہر طرف ننگے کھڑے ہیں مثل شمع

ایک خوب صورت گوری چٹی عورت کی ایڑی کو سرخی اور گولائی کی بنا پر نارنگی سے اور تلووں کو سرخ و سفید رنگ کی مناسبت سے سیب سے تشبیہہ دی ہے :-

خوش نما تھا اس کے پگ میں پائے زیب　　ایڑی نارنگی و وہ تلوے تھے سیب

دل کی شکل بادام سے مشابہ ہوتی ہے اور بادام کے چھلکے پر باریک باریک سوراخ کثرت سے ہوتے ہیں۔ اِن دونوں باتوں پر نظر کر کے فائز نے ایک اچھوتی تشبیہہ پیدا کی ہے۔

چھیدتی سب کے دل کوں جیوں بادام　　کرتی تجھ پلک کام سوزن کا

گوری بانہوں کو شمع اور ہاتھوں کو شمع کی لَو قرار دے کر کُرتے کو دو شاخہ فانوس کہنا ایک نادر تشبیہہ ہے۔ ملاحظہ ہو :-

پا میں تھی شلوار زربفت طلا　　کُرتا فانوس دو شاخہ پُر جلا

فنِ بلاغت کے مسلمات سے ہے کہ تشبیہہ مرکب تشبیہہ مفرد سے زیادہ پُرلطف ہوتی ہے۔ اگر وجہ شبہہ میں حرکت شامل ہو تو تشبیہہ کا لطف اور بڑھ جاتا ہے۔ اِن دونوں باتوں کو نظر میں رکھیے اور ایک نادر تشبیہہ ملاحظہ کیجیے۔ دریا کے کنارے میلا لگا ہوا ہے۔ سفید چمکتی ہوئی ریت پر

حسین عورتیں رنگ رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے اِدھر سے اُدھر آجا رہی ہیں۔ فائز اس متحرک منظر کو تشبیہہ دیتے ہیں ایک چاندی کی تھالی سے جس میں مختلف رنگوں کے جواہرات ڈھلک رہے ہیں۔ کہتے ہیں:۔

ندی پر نمایاں ہیں سیمیں بدن جیوں روپے کی تھالی میں ڈھلتے رتن

یہ سب توحسی تشبیہوں کی مثالیں تھیں۔ اب ایک عقلی یا تخیلی تشبیہ بھی دیکھیے:۔

اوڑھتی اوڑھنی پر کناری زرد گرد شب کے سورج کی دھاری ہے

فائز کی تشبیہوں، استعاروں اور تلمیحوں میں اگر ایک طرف دیسی رنگ پایا جاتا ہے تو دوسری طرف فارسی شاعری کا اثر بھی موجود ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں:۔

اُس ساتھ مہ رخاں کو نہیں کچھ برابری یوسف سے یہ نگار پری زاد کم نہیں

گھڑا سر پر کھڑی تھی راہ اُوپر یقیں یوسف کی جا ہے چاہ اُوپر

دو بھواں تیغ جنوبی سی و راز ہوتے صد محمود نو دیکھ ایاز

جامہ زیبی میں نہیں تجھ ثانی تو ہے خوبی میں جیوں نقش مانی

لیلیٰ مجنوں کا ذکر سرد ہوا اب تمہاری ہماری باری ہے

فائز کی نظمیں

فائز کے یہاں مسلسل نظمیں بھی ہیں اور مقدار میں غزلوں سے کہیں زیادہ ہیں۔ اُن کے عنوان مختلف

ہیں ۔ مثلاً تعریفِ پنگھٹ ، وصفِ بھنگیڑن ، تعریفِ جوگن ، بیانِ میلۂ بھیرہ ، تعریفِ نہان نگمبود ۔ مگر فائز کی غزلوں کی طرح اِن سب میں بھی زیادہ تر حُسن اور اُس کے تاثرات کا بیان ہی ۔ صرف دو نظمیں ایسی ہیں جن کے موضوع دوسرے ہیں ۔ یعنی ایک مناجات ہی ، ایک منقبت ۔ اِسی طرح اگرچہ اِن سب نظموں کا وزن ایک نہیں ہی ، پھر بھی اُن میں اتنی یکسانی ضرور ہی کہ وہ سب مثنوی کی شکل کی ہیں ۔ صرف دو نظمیں ایسی ہیں جن کی شکل دوسری ہی ۔ یعنی ایک مخمس ہی اور ایک بحرِ طویل ۔ یہ مسلسل نظمیں ثابت کرتی ہیں کہ جس طرح فائز ہماری موجودہ معلومات کی بنا پر دہلی کے پہلے اُردو غزل گو قرار پاتے ہیں اُسی طرح وہ دہلی کے پہلے اُردو نظم گو بھی ٹھہرتے ہیں ۔

فائز اور ولی

فائز ولی دکنی کے ہم عصر تھے ۔ ان کے اُردو دیوان کے موجودہ نسخے میں صرف بتیس ۳۲ غزلیں ہیں اور اِن میں انیس ۱۹ غزلیں ایسی زمینوں میں ہیں جو ولی کے دیوان میں بھی موجود ہیں ۔ اِس حد کی مطابقت کو صرف اتفاقی بات سمجھنا مشکل ہی ۔ ولی کا دیوان بہ قولِ حاتم جلوسِ محمد شاہ کے دوسرے سال دہلی میں آیا ۔ اور فائز کا کلیات اُس سے چند سال پیشتر فرخ سیر کے عہد میں مرتب ہو چکا تھا ۔ اِس سے بادی النظر میں یہ نتیجہ نکلتا ہی کہ ولی نے فائز کی غزلوں پر غزلیں کہیں مگر امکان اس کا بھی ہی کہ ولی کے دیوان سے پہلے اُن کی غزلیں دہلی پہنچنے لگی ہوں اور فائز نے ان کے جواب میں غزلیں کہی ہوں ۔ بہرحال سرِدست یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ ہم طرح غزلوں میں تقدم کا شرف کس کو حاصل ہی ۔ یہ بھی ممکن ہی کہ اِن میں سے بعض غزلیں فائز نے پہلے کہی ہوں اور بعض ولی نے ۔

ہمارے ادب کی تاریخ میں یہ مسئلہ خاص اہمیت رکھتا ہی۔ امید ہی کہ ادبی تحقیق کرنے والے اِس کو حل کرنے کی کوشش کریں گے۔ ذیل میں فائزؔ اور ولیؔ کی ہم طرح غزلیں درج کی جاتی ہیں کہ ان کا تقابل آسانی سے کیا جاسکے۔

فائزؔ

خوباں سکے بیچ جاناں ممتاز ہی سراپا — انداز دل بری میں اعجاز ہی سراپا
پل پل مٹک سکے چھبے ڈگ ڈگ چلے لٹک کر — وہ شوخ چھل چھبیلا طناز ہی سراپا
ترچھی نگاہ کرنا، کترا کے بات سننا — مجلس میں عاشقوں کی انداز ہی سراپا
نیینوں میں اس کی جادو زلفاں میں اس کی پھاندا — دل کے شکار میں وہ شہباز ہی سراپا
غمزہ، نگہ، تغافل، انکھیاں سیاہ چنچل — یارب نظر نہ لاگے انداز ہی سراپا

ولیؔ

وہ ناز ہور ادا میں اعجاز ہی سراپا — خوبی میں گل رُخاں سوں ممتاز ہی سراپا
ای شوخ تجھ نین میں دیکھا نگاہ کر کر — عاشق کے مارنے کا انداز ہی سراپا
جگ کے ادا شناساں جن کی ہی فکر عالی — تجھ قد کوں دیکھ بولے یو ناز ہی سراپا
کیا ہو سکیں جگت کے دلبر ترے برابر — تو حسن ہور ادا میں اعجاز ہی سراپا
گاہے ای عیسوی دم یک بات لطف سوں کر — جاں بخش مجھ کوں تیری آواز ہی سراپا
مجھ پر ولیؔ ہمیشہ دل دار مہرباں ہی — ہر چند حسب ظاہر طناز ہی سراپا

فائزؔ

مجھ پاس کبھی وو قد شمشاد نہ آیا — اس گھر سنے وو دل بر استادہ نہ آیا

گلشن مری انکھیاں میں لگے گلخن دوزخ
جو سیر کو مجھ ساتھ پری زاد نہ آیا

سا نجھ آئی دیو دن بی ہوا فکر ہیں آخر
وہ دل بر جا دوگر صیاد نہ آیا

آیا نہ ہمن پاس کیا وعدہ خلافی
فائز کا کچھ احوال مگر یاد نہ آیا

ولی

پھر میری خبر لینے وہ صیاد نہ آیا
شاید کہ مرا حال اُسے یاد نہ آیا

مدت ستی مشتاق ہیں عشاق جفا کے
بیداد کہ وہ ظالم بیداد نہ آیا

جاری کیا ہوں جوے رواں اشک رواں سوں
افسوس کہ وہ غیرت شمشاد نہ آیا

جس غم منیں موزوں کیا ہو آہ کا مصرع
وہ مصرعِ دل چسپ پری زاد نہ آیا

پہنچی ہی ہر اک گوش میں فریاد ولی کی
لیکن وہ صنم سننے کوں فریاد نہ آیا

فائز

گل ترے مکھ کی فکر میں بیمار
جیو بلبل کا تجھ قدم پہ نثار

گلی کوں ای شوخ ٹک تنک دکھلا
کہ خزاں کر دکھاوے اس کوں بہار

مست سے دل کوں ہی عذر لازم
نین تیرے بہت ہوے سرشار

اس گلی میں قدم کرم سوں دھر
کہ کروں ہر قدم پہ جیو نثار

مارتی مجھ کوں ای کماں ابرو
یہ پلک تیر و یہ نگہ تلوار

ہجر میں تیرے آہ کرنا ہی
دلِ عاشق نہیں ہی ٹک بے کار

کیا کرے تجھ سے پاپی سوں فائز
سینہ غم سوں ہی تیرے آبلہ وار

ولی

گر چمن میں چلے وہ رشکِ بہار
گل کریں نقدِ آب و رنگ نثار

بلبلاں ہر طرف سوں اُٹھ دوڑیں دیکھنے کوں اُسے ہزار ہزار
یاد تجھ خطِ سبز کی ای شوخ زخمِ دل پر ہی مرہمِ زنگار
حق نے تیری آنکھاں کو بخشا ہی مئے وحدت سوں ساغر سرشار
جن نے دیکھا ہی اس پری رو کوں صورتِ ہوش سوں ہوا بیزار
تجھ درس کے خیال میں قائم مثل نیساں ہی چشم گوہر بار
تجھ لب آگے ای مشتری طلعت آبِ حیواں کا سرد ہی بازار
بسکہ پایا ہی تجھ جفا سوں شکست خانۂ دل ہوا ہی آئینہ وار
ای ولی اُس سوں حرفِ ہوش نہ پوچھ
جو ہوا مستِ جلوۂ دیدار

فائز

ابرو نے ترے کھینچی کماں جور و جفا پر
قرباں کروں سو جیو ترے تیرِ ادا پر
یاقوت کو لاوے نہیں خاطر میں کبھی وہ
جس کی نظر ای یار پڑے تیری حنا پر
کیا خوب ترے سر پہ لگے چیرۂ سالو
کیا زیب دیوے لیمہ تری سبز قبا پر
تجھ دام میں ای آہوئے چیں بند ہی فائز
ہرگز نہیں اُس طائرِ اندیشہ خطا پر

ولی

آیا جو کمر باندھ کے تو جور و جفا پر میں جی کوں تصدق کیا تجھ بانکی ادا پر

مجھ دیدۂ خوں بار میں ایک بار قدم رکھ
ای شوخ ترا جیو ہی گر رنگ حنا پر

انکھیاں میں یہ خوبانِ جہاں کی کہ لگی ہیں
بوٹی نہیں نرگس کی صنم تیری قبا پر

تشبیہ جو تجھ خط کوں دیا مشکِ ختن سوں
عالم کوں نہ آگاہ کیا اپنی خطا پر

دشوار ہے حیرت سوں ولی اس کا نکلنا
باندھا ہے جو دل اُس رخِ آئینہ نما پر

فائز

ترے گالی مجھ دل کوں پیاری لگے
دعا میری تجھ منا ہیں بھاری لگے

تدی قدر عاشق کی بوجھے سجن
کسی ساتھ اگر تجھ کوں یاری لگے

بھلا دیوے وو عیش و آرام سب
جسے زلف سیں بے قراری لگے

نہیں تجھ سا اور شوخ ای من ہرن
تری بات دل کوں نیاری لگے

بھواں تیری شمشیر و زلفاں کمند
پلک تیری جیسے کٹاری لگے

ہووے سرد بازار دامن کا دیکھ
اگر گرد دامن کناری لگے

نہ جانوں تو ساقی تھا کس بزم کا
نین تیری مجھ کوں خماری لگے

وہی قدر فائز کی جانے بہت
جسے عشق کا زخم کاری لگے

ولی

جسے عشق کا تیر کاری لگے
اسے زندگی جگ میں بھاری لگے

نہ چھوڑے محبت دمِ مرگ تک
جسے یار جانی سوں یاری لگے

نہ ہووے اسے جگ میں ہرگز قرار
جسے عشق کی بے قراری لگے

ہر اک وقت مجھ عاشقِ زار کوں
پیارے تری بات پیاری لگے

ولی کوں کہے تو اگر یک بچن
رقیباں کے دل میں کٹاری لگے

فائز

سجن مجھ پر بہت نامہرباں ہی — کہاں وو عاشقاں کا قدرداں ہی
کہوں احوال دل کا اس کو کیوں کر — بہت نازک مزاج و بدزباں ہی
مرا دل بند ہی اس نازنیں پر — عجب اس خوش لقا میں ایک آں ہی
بھواں شمشیر ہیں وو زلف پھانسی — ہراک پلک اس کی مانندِ سناں ہی
چندر بے وقر ہی اس بدر آگے — صفا اس مکھ کی ہراک پر عیاں ہی
سمجھتا ہی ترے اشعار فائز — خدا کے فضل سوں وہ نکتہ داں ہی

ولی

صنم میرا نپٹ روشن بیاں ہی — بہ رنگ شعلہ سرتا پا زباں ہی
نظر کرتے میں دل اُس کا لیا ہوں — کمندِ گل نگاہِ بلبلاں ہی
بجا ہی گر وہ سروِ گلشنِ ناز — ہماری راستی پر مہرباں ہی
وفا کر حسن پر مغرور مت ہو — وفاداری بہارِ بے خزاں ہی
صنم مجھ دیدہ و دل میں گزر کر — ہوا ہی، باغ ہی، آبِ رواں ہی
ہوا تیرِ ملامت کا نشانہ — نظر میں جس کی وو ابرو کماں ہی
ولی اُس کی جفا سوں خوف مت کر — جفا کرنا وفا کا امتحاں ہی

فائز

مرا محبوب سب کا من ہرن ہی — نظر کر دیکھ وو آہو نین ہی
نہیں اب جگ میں ویسا اور ساجن — مجھے صورت شناسی ہیچ فن ہی

سبی دیوانے ہیں اُس مہ لقا کے — مگر وہ دل بہ جادو نین ہے
مرے ویرانے دل میں اے پری رُخ — سنگار آ کر کرو یہ کدلی بن ہے
کرے رشکِ گلستاں دل کو فائز — مرا ساجن بہارِ انجمن ہے

ولیؔ

یہ تِل زنگی و خط مشکِ ختن ہے — سخن مصری و لب کانِ یمن ہے
مرے پر کھینچتے ہیں تیغِ ہندی — ترے ابرو کہ جیہیں جن کا وطن ہے
ہوئی ہیں دنگ تصویرِ فرنگ دیکھ — تری صورت کہ یہ رشکِ دمن ہے
دِسے تیرے نین میں کا نور و دِمِس — تری باتاں میں بنگالے کا فن ہے
ترے لب میں دِسے لعلِ بدخشاں — سخن تیرا ہر اک درِ عدن ہے
تری یہ زلف ہے شامِ غریباں — جبیں تیری مجھے صبحِ وطن ہے
ولیؔ ایران و توراں میں ہے مشہور — اگرچہ شاعرِ ملکِ دکن ہے

شکار اندازِ دل وہ من ہرن ہے — لقب جس شوخ کا جادو نین ہے
ہوا ہے جو شہیدِ لالہ رویاں — بہ رنگِ داغِ دل خونیں کفن ہے
نہیں درکار گل گشتِ چمن زار — بہارِ عاشقاں وہ گل بدن ہے
کرے گی سنگ دل کے دل میں جا نقش — صدائے بے دلاں فرہاد فن ہے
بجا ہے اس کو کہنا خسروِ وقت — نظر میں جس کی وہ شیریں بچن ہے
ترا قد اے بہارِ گلشنِ ناز — مثالِ سروِ زیبِ صد چمن ہے
خودی سوں اوّلاً خالی ہوا اے دل — اگر اس شمعِ روشن کی لگن ہے
غلام و فدویِ درگاہِ احمد — سدا اس کی زباں پر یہ بچن ہے

ہوا جو خادمِ شاہِ ولایت ولی ہے والیِٔ مُلکِ سخن ہے

فائز

یار میرا میانِ گلشن ہے عرقِ خوں پھول تا بہ دامن ہے
دل لبھاتا ہے سب کا وہ ساجن دل فریبی میں اس کو کیا فن ہے
تارے جیوں دُر ہیں اس کے حلقہ بگوش وہ بنا گوش صبحِ روشن ہے
اس نظارے سے سب شہید ہوے وہ نین کیا بلا سے رہزن ہے
کیا بیاں کر سکوں میں گت اُس کی فائزؔ اُت خوش ادا سریجن ہے

مکھ ترا[1] صاف مثلِ درپن ہے نین عقل و ہراس کی رہزن ہے

ولی

عارفاں پر ہمیشہ روشن ہے کہ فنِ عاشقی عجب فن ہے
دشمنِ دیں کا دین دشمن ہے راہ زن کا چراغ روشن ہے
کیوں نہ ہو مظہرِ تجلیٔ یار کہ دلِ صاف مثلِ درپن ہے
عشق بازاں ہیں تجھ گلی میں مقیم بلبلاں کا مقام گلشن ہے
سفرِ عشق کیوں نہ ہو مشکل غمزۂ چشمِ یار رہزن ہے
بار مت دے رقیب کو اے یار دوستاں کا رقیب دشمن ہے
تنگ چشمی ہے راہ بے بصری گرچہ مقدارِ چشمِ سوزن ہے

---

[1] اس غزل کا صرف مطلع رہ گیا ہے۔ بقیہ اشعار جس ورق پر تھے وہ غائب ہو گیا ہے۔

مجھ کوں روشن دلاں نے دی ہی خبر
کہ سخن کا چراغ روشن ہی
گھیر رکھتا ہی دل کوں جامۂ تنگ
جگ منیں دَوَر دورِ دامن ہی
عشق میں شمع رو کے جلتا ہوں
حال میرا سبھوں پہ روشن ہی
ای ولی تیغِ غم سوں خوف نہیں
خاک ساری بدن پہ جوشن ہی

فائز

مرے دل بیچ نقشِ نازنیں ہی
مگر یہ دل نہیں یارو نگیں ہی
کمر پر تیری اس کا دل ہوا محو
ترا عاشق بہت باریک بیں ہی
جو کہیے اس کے حق میں کم ہی بیشک
پری ہی، حور ہی روح الامیں ہی
غلام اُس کے ہیں سارے اب سرجن
نگر میں حسن کے کرسی نشیں ہی
مجھے ہی موشگافی میں مہارت
جو نت دل محوِ خطِ عنبریں ہی
نظر کر لطف کی ای شاہ خوباں
ترا فائز غلامِ کمتریں ہی

ولی

ترے لب پر جو خطِ عنبریں ہی
خطِ یاقوت سوں نقشِ نگیں ہی
چمن آرائے باغ خوش ادائی
نہالِ قد سرو گل جبیں ہی (کذا)
کہو زاہد سے جاوے اُس گلی میں
اگر مشتاقِ فردوسِ بریں ہی
نہ آوے گی کدھی لکھنے میں ہرگز
مصور یو اداے نازنیں ہی
ہمیشہ دیکھتی ہی تجھ کمر کوں
نگہ میری سدا باریک بیں ہی
مرے حق میں عنایت نامۂ یار
مثالِ شہپرِ روح الامیں ہی
کرے اک آن میں جگ کو دِوانا
نگہ تیری کہ جادو آفریں ہی

نہیں گل برگ گلشن میں ای لالن
ترے گل گوں کا یہ دامان زیں ہی

سویدا کی نمط جاوے نہ ہرگز
خیال اُس خال کا جو دل نشیں ہی

ولیؔ جن نے سنا میرے سخن کوں
زباں پر اس کی ذکرِ آفریں ہی

فائزؔ

ای سجن وقتِ جاں گدازی ہی
موسمِ عیش و فصلِ بازی ہی

ان چکوروں سے دور رہ ای چاند
قول عشاق کا نمازی ہی

اس قلندر کی بات سہل نہ بوجھ
عشق کے فن میں فخر رازی ہی

ہم قریں مجھ نہ کر رقیباں سوں
طور یاروں کا پاک بازی ہی

عاشقاں جان و دل گنواتے ہیں
یہ نہ طورِ زمانہ سازی ہی

فائزؔ اُس خوش ادا سریجن پاس
بے گناہاں کا قتل بازی ہی

ولیؔ

عشق بے تاب جاں گدازی ہی
حسن مشتاق دل نوازی ہی

اشک خونیں سوں جو کیا ہی وضو
مذہب عشق میں نمازی ہی

جو ہوا رازِ عشق سوں آگاہ
وہ زمانے کا فخرِ رازی ہی

پاک بازاں سوں یو ہوا معلوم
عشق مضمونِ پاک بازی ہی

جا کے پہنچی ہی حدِ ظلمت کوں
بسکہ تجھ زلف میں درازی ہی

تجربے سوں مجھے ہوا ظاہر
ناز مفہوم بے نیازی ہی

ای ولیؔ عشقِ ظاہری کا سبب
جلوۂ شاہدِ مجازی ہی

فائز

تجھ بدن پر جو لال ساری ہی
عقل اس نے مری پساری ہی

بال دیکھے ہیں جب سوں میں تیرے
زلف سی دل کوں بے قراری ہی

سب کے سینے کو چھید ڈالا ہی
پلک تیری مگر کٹاری ہی

اوڑھنی اودی پر کناری زرد
گرد شب کے سورج کی دھاری ہی

قہر و لطف و تبسم و خندہ
تیری ہر اک ادا پیاری ہی

ترچھی نظراں سے دیکھنا ہنس ہنس
مور سے چال تجھ نیاری ہی

دھوپ سا یو کپول ناری ہی
کرن سورج کی وو کناری ہی

چھپ رقیباں سوں آتا نہیں وو چاند
کیا رین ہجر کی اندھیاری ہی

نہیں اثر کرتا صبر کا مرہم
دلِ عاشق میں زخم کاری ہی

گلِ باغِ جنوں ہی رسوائی
عزتِ ملکِ عشق خواری ہی

خونِ دل بادہ و جگر ہی کباب
نغمۂ بزمِ وصل زاری ہی

لیلیٰ مجنوں کا ذکر سرد ہوا
اب تماری ہماری باری ہی

ملنا عاشق سوں ہی بہانے سوں
یہ نصیحت تمن ہماری ہی

مجکوں مت جانو یاد سوں غافل
رات دن دل کوں لو تماری ہی

دل بندھا سخت تیری زلفاں پر
عقل فائز کی اُن پساری ہی

ولی

دل کوں تجھ باج بے قراری ہی
چشم کا کام اشک باری ہی

شبِ فرقت میں مونس و ہم دم — بے قراری و آہ و زاری ہی
ای عزیزاں مجھے نہیں برداشت — سنگ دل کا فراق بھاری ہی
فیض سوں تجھ فراق کے ساجن — چشمِ گریاں کا کام جاری ہی
فوقیت لے گیا ہوں بلبل سوں — گرچہ منصب میں دہ ہزاری ہی
عشق بازی کے حق منیں قاتل — ہر نگہ خنجر و کٹاری ہی
آتشِ ہجر لالہ روسوں ولی — داغ سینے میں یادگاری ہی

تجھ بنا مجھ کوں بے قراری ہی — میری انکھیاں سوں اشک باری ہی
کیوں نہ ہو چاک چاک میرا دل — شوخ کے ہاتھ میں کٹاری ہی
یک نگہ سوں کیا ہی مست مجھے — اُس کی انکھیاں میں کیا خماری ہی
تیرے ابرو نے مجھ کوں قتل کیا — کیا بلا اس میں آب داری ہی
اب ولی نے یہ تیری صورتِ حسن — صفحۂ دل اُپر اتاری ہی

فائز

ای خوب رو فرشتہ سیر انجمن میں آ — سروِ روانِ حسن ہمارے چمن میں آ
منہ باندھ کر کلی سا نہ رہ میرے پاس تو — خنداں ہو کر کے گل کی صفت ٹک سخن میں آ
عشاق جاں بکف ہیں کھڑے تیرے آس پاس — ای دل رُبای غارتِ جاں اپنے فن میں آ
دوری نہ کر کنار سوں میرے تو ای ہما — کب لگ رہے گا دور ٹک اپنے وطن میں آ
تیرے ملاپ بن نہیں فائز کے دل کو چین — جیوں روح ہو لبا ہی تو اس کے بدن میں آ

ولی

ای رشکِ ماہ تاب تو دل کے صحن میں آ — فرصت نہیں ہی دن کوں اگر تو رین میں آ

ای گُل عذار غنچہ دہن ٹک چمن میں آ
گل سر پہ رکھ کے شمع نمن انجمن میں آ

جیوں طفلِ رشک بھاگ نہ تو مجھ نظر ستی
ای نورِ چشم نور نمط مجھ نین میں آ

کب لگ ایس کے غنچۂ لب کو رکھے گا بند
ای نو بہارِ باغِ محبت سخن میں آ

تا گل کے رو سے رنگ اڑائے اُس کی نمط
ای آفتابِ حسن لٹک سوں چمن میں آ

تجھ عشق سوں کیا ہے دکنی دل کوں بیتِ غم
سرعت ستی ای معنئِ بیگانہ من میں آ

فائز

تجھ سا نہیں زلف و خط پری کا
یہ ناز ہے سحر سامری کا

کرناں کا بنا ہے نور رخ سوں
چیرہ ہے جو سر پر تجھ زری کا

ہنس ہنس جو مجھے نظر کرے ہے
ہے طور غریب پروری کا

ای چاند تجھ آگے غرقِ خجلت
ہر شام ہے مہر خاوری کا

دوری نہ کرو ہمن سے اس حار
دل محو تمہاری دلبری کا

تجھ قد کو بغل کرے تمنّا
فائز کو خیال برتری کا

ولی

طالب نہیں ماہ و مشتری کا
دیوانہ ہو جو تجھ پری کا

یو غمزۂ شوخ ساحری نین
استاد ہے سحر سامری کا

تجھ تل سے ای آفتابِ طلعت
ممنوں ہوں ذرّہ پروری کا

کفّارِ فرنگ کو دیا ہے
تجھ زلف نے درس کافری کا

تیرا خطِ خضر رنگ ای شوخ
سلطان ہے خشکی و تری کا

دو سر سوں قدم تلک جھلک ہیں
گویا ہی قصیدہ انوری کا

خورشید سوں ہم سری کرے ہی
چیرہ ترے سر اُپر زری کا

ای غنچہ نہ فخر کر کہ یو دل
تکمہ ہی پیا کی بکتری کا

پایا ہی جو کوئی دولتِ فقر
مشتاق نہیں سکندری کا

پھیکی لگے اُس کو شانِ دولت
چاکھا جو مزہ قلندری کا

کہتا ہی ولی پکار یو بات
بندہ ہوں پیا کی دل بری کا

فائز

مستمنداں کو ستایا نہ کرو
بات کو ہم سے اُڑایا نہ کرو

دل شکنجے میں نہ ڈالو میرا
زلف کو گوندھ بنایا نہ کرو

حسنِ بے ساختہ بھاتا ہی مجھے
سرمہ انکھیاں میں لگایا نہ کرو

تم سے مجھ دل کو بہت ہی امید
مجھ سے مسکیں کو کڑھایا نہ کرو

بیدلاں سوں نہ پھراوو مکھڑا
ہم سے تم آنکھ چرایا نہ کرو

مخلص اپنے کو نہ مارو ناحق
حقِ اخلاص بھلایا نہ کرو

عشق میں فائز شیدا ممتاز
اس کوں سب ساتھ ملایا نہ کرو

ولی

صحبتِ غیر میں جایا نہ کرو
دردمنداں کو کڑھایا نہ کرو

حق پرستی کا اگر دعوا ہی
بے گناہاں کو ستایا نہ کرو

اپنی خوبی کے اگر طالب ہو
اپنے طالب کوں جلایا نہ کرو

ہی اگر خاطرِ عشاق عزیز
غیر کوں درس دکھایا نہ کرو

مجھ کوں ترشی کا ہے پرہیز صنم — چینِ ابرو کو دکھایا نہ کرو
دل کوں ہوتی ہے صنم بے تابی — زلف کوں ہاتھ لگایا نہ کرو
نگہ تلخ سوں اپنی ظالم — زہر کا جام پلایا نہ کرو
ہم کوں برداشت نہیں غصے کی — بے سبب غصے میں آیا نہ کرو
پاک بازاں میں ولی ہے مشہور — اُس سوں چہرے کو چھپایا نہ کرو

فائز

جب سجیلے خرام کرتے ہیں — ہر طرف قتلِ عام کرتے ہیں
مکھ دکھا، چھب بنا، لباس سنوار — عاشقوں کو غلام کرتے ہیں
گردشِ چشم سوں سریجن سب — بزم میں کارِ جام کرتے ہیں
یہ نہیں نیک طور خوباں کے — آشنائی کو عام کرتے ہیں
مرغ دل کے شکار کرنے کوں — زلف و کاکل کو دام کرتے ہیں
شوخ میرا بتاں میں جب جاوے — اس کو اپنا امام کرتے ہیں
خوب رو آشنا ہیں فائز کے — مل سبھی "رام رام" کرتے ہیں

ولی

خوب رو خوب کام کرتے ہیں — یک نگہ میں غلام کرتے ہیں
دیکھ خوباں کو وقت ملنے کے — کس ادا سوں سلام کرتے ہیں
کیا وفادار ہیں کہ ملنے میں — دل سوں سب رام رام کرتے ہیں
کم نگاہی سے دیکھتے ہیں ولے — کام اپنا تمام کرتے ہیں
کھولتے ہیں جب اپنی زلفاں کوں — صبحِ عاشق کو شام کرتے ہیں

صاحب لفظ اس کوں کہ سکیے جس سوں خوباں کلام کرتے ہیں
دل لے جاتے ہیں ای ولی میرا
ہر و قد جب خرام کرتے ہیں

زلف کوں کھول دام کرتے ہیں آہوئے دل کو رام کرتے ہیں
دیکھ تجھ لعل لب کی کیفیت زاہداں می حرام کرتے ہیں
بلبلاں چھوڑ کر چمن کوں سجن تجھ گلی میں مقام کرتے ہیں
گل رخاں فیض لب کے پانی کوں بادہ لعل جام کرتے ہیں
ناوک ناز شوخ چشماں کے دل میں عاشق کے کام کرتے ہیں
کم نگاہی سے دیکھتے ہیں ولی
کام اپنا تمام کرتے ہیں

فائز اور ولی کی ان غزلوں کا مقابلہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہی کہ شاعری میں فائز کا مرتبہ ولی سے کسی طرح کم نہیں ہی

فائز کی زبان فائز کی زبان کوئی پونے تین سو برس پہلے کی اُردو ہی۔ اس لیے اس میں فطری طور پر ایسے لفظ موجود ہیں جو بعد کو متروک ہو گئے۔ یہ لفظ تقریباً سب کے سب ہندی ہیں اور ان میں سے اکثر ہندی زبان میں اب تک استعمال ہوتے ہیں۔ مگر اُردو میں ان میں سے بعض کی جگہ دوسرے ہندی لفظوں نے اور بعض کی جگہ فارسی لفظوں نے لے لی ہی۔ ایسے کچھ الفاظ یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔ ان کے سامنے قوسین میں ان کے معنی بھی لکھ دیے گئے ہیں۔ مکھ (چہرہ) نِس (رات) نار (عورت) چیری (لونڈی) اَدَھر (ہونٹ)

برکھ (برس) درپن (آئینہ) رسانا (بے چارہ) من (دل) گمانی (مغرور) چھن (لمحہ) بسرنا (بھولنا) ابھوگن (زیور) سگل (سب) انیک (کئی، بہت سے) میت (دوست) مرگ (ہرن) نسن (مثل) برہ (ہجر) چرن (پانوں) ہت (محبت) بیاکل (بے چین) پاتی (خط) نچنت (بے فکر) ٹھور (جگہ) اتر (جواب) ڈھٹائی (دیدہ دلیری) دسنا (دکھائی دینا) سوبھا (خوب صورتی) لگ (تک) ناری (بھی) تیں (تو) ہے اردو کا لفظ سے اس صورت میں بھی موجود ہے مگر اس کی جگہ سیں، سوں، سنی اور سیتی بھی ملتا ہے۔ کسی کی جگہ کسو اور کبھی کی جگہ کبھو کہیں نہیں ملتا لیکن ایک جگہ کہیں کے معنی میں کہوں ملتا ہے۔ کرتا تھا، کہتا تھا وغیرہ کی جگہ کرے تھا، کہے تھا وغیرہ تو کبھی استعمال کیا ہی نہیں گیا۔ آتا ہے، جاتا ہے وغیرہ کی جگہ آئے ہے جائے ہے وغیرہ بھی ایک دو جگہ سے زیادہ نہیں آیا ہے۔

مفرد لفظوں کے علاوہ بعض ایسے محاورے بھی فائز کے یہاں ملتے ہیں جو بعد کو متروک ہو گئے۔ مثلاً یاری لگنا (محبت ہونا) بھاری لگنا (گراں گزرنا) سخن میں آنا (بیان کرنا) فن ہونا (مشق، مہارت یا کمال ہونا) آخری محاورہ ذیل کے مصرعوں میں آیا ہے:-

تجھے صورت شناسی بیچ فن ہے

دل فریبی میں اس کو کیا فن ہے

دل بری میں تجھے عجب فن ہے

فارسی اور عربی لفظوں کی جمع فارسی قاعدے کے مطابق بغیر فارسی

ترکیب کے بھی استعمال کی گئی ہے مثلاً زلفاں ، حوراں ، نظراں اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ہندی لفظوں کی جمع بھی اکثر فارسی قاعدے کے مطابق بنائی گئی مثلاً کرن ، بھون ، ہاتھ ، بات اور دانت کی جمع کرناں ، بھواں ، ہاتاں ، باتاں ، داتاں ایسی جمعوں میں صرف دو جگہ علامت جمع سے پہلے ایک ی بڑھا دی ہے ۔ یعنی کلرل کی جمع کلرلیاں اور ٹھٹول کی جمع ٹھٹولیاں لائے ہیں ۔ بعض ہندی اور غیر ہندی لفظوں کی جمع اُردو کے قاعدے کے مطابق بھی لائی گئی ہے مثلاً ہے مناسب دل بروں سے دل بری ۔ بے گناہوں کا عبث لیتا ہے پاپ ۔ مناسب نہیں عاشقوں سے حجاب ۔ تو رقیبوں کے چمن میں خنداں ۔ خوب رویوں سے واں لگا دربار ۔ اِن چکوروں سے دور رہ ای چاند ۔

فائز ہندی اور فارسی لفظوں کو فارسی قاعدوں کے مطابق ترکیب دیتے ہیں ۔ مثلاً آہو نین ، جادو نین ، کنچن بدن ، ہاتھ بستہ ، گھر بہ گھر ، دل و انکھیاں ، عشق ولاج ، مرگی و نتھ ، بہل و رتھ ، شعلۂ جوبن ، بحر جوبن ، فوج پہار ۔ فارسی کے مصدر اور فعل تو استعمال نہیں کرتے ۔ مگر حروف معنوی کبھی کبھی لے آتے ہیں ۔ مثلاً

چہرہ سب کا از گلال آتش فشاں

مت ہاتھی سی چلتی تھی زِ جوبن

جیوں سبھا اندر کی در باغ ارم

پان پھراتی تھی وہ جب بر دو کاں

شور تیرا سبھی کے ور سر ہی   ذکر تیرا بہ شہر گھر گھر ہی

ایک جگہ فارسی ضمیر استعمال کی ہی مگر فارسی ترکیب کے ساتھ،
"بتیں برکھ برکھ زعم او گھڑا گھڑی" کو یا کوں کا لفظ علامت اضافت کے طور پر بھی لائے ہیں مثلاً

تجھ کو خوبی میں اب نہیں جوڑا

تجھ کوں نہیں ہی ثانی

نہیں تجھ کو شریک اے ذات بیچوں

مرگ سے اس حور لقا کو تھے نین

کہ خنجر گزاری ہی اس کوں شعار

پر اور اس کے مخفف "پہ" کو کئی جگہ کچھ عجب طرح سے استعمال کیا ہی جیسا کہ ذیل کی مثالوں سے واضح ہو گا۔

مرا دل بند ہی اس نازنیں پر   دل بندھا سخت تیری زلفاں پر
محو ہوں میں جمال پر تیرے   محو ہوں درین سا تجھ پر اے حبیب
عالم ہی تجھ پہ حیراں   دل بند تجھ پہ میرا

حروف معنوی اور علامت اضافت کو اکثر حذف کر دیئے ہیں۔ ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ جہاں کہیں کوئی لفظ محذوف ہی وہاں زراسی

جگہ خالی چھوڑدی گئی ہے۔

سب کے تن ــــ رخت کیسری ہے یاد
سبوں کے رنگ برنگ تھی باگڑی ہاتھ
} میں محذوف

ہر اک غمزے ــــ اُپر جاں مبتلا ہے
اس کو سب ــــ ساتھ ملایا نہ کرو
اس ــــ حسن کا دیکھ تازہ گل زار
} کے محذوف

لال بادل کی تجھ ــــ بھری ہے یاد
ہم قریں مجھ ــــ نہ کر رقیباں سوں
یہ نصیحت تمن ــــ ہماری ہے
مرتے تھے عشاق دیکھ اس خوب رو ــــ
} کو محذوف

عقل فائز کی اُن ــــ لبھاری ہے
بال نیکھے ہیں جب سے میں ــــ تیرے
تیرے پیچھے سبی کو ہم ــــ چھوڑا
} نے محذوف

کبھی کبھی حرف ربط ہے اور ہیں کو بھی محذوف کر دیتے ہیں۔ مثلاً

چھیدتی ــــ سب کے دل کو جیوں بادام　　　کرتی ــــ تجھ پلک کام سوزن کا
مارتی ــــ مجھ کوں اے کہاں　　　یہ پلک تیر و یہ نگہ تلوار
دوری نہ کر ہمن سے اس حد　　　دل خو　　　تماری دل بری کا
موزونیت کی ضرورت سے لفظوں کے تلفظ میں (۱) کبھی متحرک

حروف کو ساکن (۲) کبھی ساکن کو متحرک (۳) کبھی مخفف کو مشدد (۴) کبھی مشدد کو مخفف کر دیتے ہیں۔

(۱) پَلک - بَرَن - کِرَن (۲) نَینؔ - رَینؔ - حُسنْؔ (۳) ہنگامہ - نکھ (۴) لکے (لکّے) دیا (دیّا)۔ اسی ضرورت سے (۱) کبھی اعراب کو کھینچ کر حرف علت تک پہنچا دیتے ہیں۔ (۲) کبھی حروف علت کو دبا کر اعراب کی حد میں لے آتے ہیں۔ مثلاً (۱) پھاندا (پھندا) لاگے (لگے) ساجن (سجن) راکھ (رکھ) ناہیں (نہیں) بہوت (بہت) میٹھائی (مٹھائی) مونھ (منھ) ہوئی (ہوئی) چھوٹی (چھوٹی)

(۲) اُپر (اوپر) گل (گال) ہت (ہاتھ) دِکھ (دیکھ) اگے (آگے) سُرج (سورج) دِوے (دیوے) لویں (لیویں) دِکھے (دیکھے) نہیں بروزن فَع - اندھیاری بروزن فعولن۔

اُردو غزل میں یار کا لفظ معشوق یا محبوب کے معنی میں آتا ہے مگر فائزؔ نے اسے عاشق کے مفہوم میں بھی استعمال کیا ہے مثلاً

عشق کی آگ میں رہے دن رین   یارؔ تیرا اگر سمندر ہے
راست اگر سروسی قامت کرے   یارؔ کی آنکھوں میں قیامت کرے

اسی طرح یاری کا لفظ عشق یا محبت کے معنی میں استعمال کیا ہے کہتے ہیں

تدی قدر عاشق کی بوجھے سجن   کسی ساتھ اگر تجھ کوں یاری لگے

دنیا کی ہر زبان میں ہمیشہ کچھ پرانے لفظ استعمال سے خارج اور کچھ نئے لفظ داخل ہوتے رہتے ہیں۔ اُردو میں بھی یہ فطری اور ارتقائی عمل جاری ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ فائزؔ کی زبان ہماری زبان سے کچھ مختلف نظر آتی ہے۔ چند بے قاعدگیوں اور شاعرانہ آزادیوں کو چھوڑ کر

اُن کی زبان اور موجودہ ٹکسالی اُردو میں صرف و نحو کے اعتبار سے کوئی خاص فرق نہیں ہی۔ چناں چہ تقریباً پونے تین سو برس گزر جانے کے بعد آج بھی ہم کو فائز کے بعض لفظوں کے معنی سمجھنے میں کچھ دقت ہو تو ہو اُن کے کلام کا مفہوم سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔

فائز اور عیوب قافیہ

فائز عروض اور قافیے کے فنوں سے خوب واقف تھے۔ انھوں نے اپنے کلیات کے خطبے میں اُن سے تفصیل کے ساتھ بحث کی ہی اور اس سلسلے میں قافیے کے تمام عیب ایک ایک کرکے گنوائے ہیں۔ اگرچہ ان عیبوں کی مثالیں اُن کو ایرانی استادوں کے کلام میں مل گئی ہیں، پھر بھی وہ ان مثالوں کو معیوب قافیوں کے جواز کی سند نہیں مانتے اور ان کو قبیح و ناجائز ہی قرار دیتے ہیں۔ اس کے باوجود ان کے اُردو کلام میں چند شعر ایسے ملتے ہیں جن میں انھوں نے عیوب قافیے کا لحاظ نہیں رکھا۔ ایک غزل میں پری اور مسخری کے ساتھ دوسری، اُبری اور گھڑی کو بھی قافیہ کردیا ہی۔ ان کا ایک شعر ہی۔

یار ایام دل بری ہی یاد سیر گل زار و می خوری ہی یاد

دل بری کو مے خوری کے ساتھ قافیہ کرنا اگرچہ ہمارے مذاق میں پسندیدہ نہیں ہی مگر ایرانی شاعروں کے یہاں بہت عام ہی اور اس معاملے میں فائز نے انھیں کی پیروی کی ہی۔ ذیل میں فائز کے دو شعر نقل کیے جاتے ہیں جن میں قابل اعتراض قافیے آگئے ہیں: ۔

عشق معبود کا مناسب ہی خالق اس کالبد کا دو رب ہی

کرے دل کو پانی ہر اک مہندنی نظر پڑتی پانی اُپر چندنی

سبھن کا دست گیر اس جگ میں تو ہی　　خدایا رات دن مجھ من میں تو ہی
سر سے پا تک تمام ننگی تھی　　اس کے پنڈے پہ ایک لنگی تھی
میرے دل کو آتا ہے اس سے حذر　　کہ ان کو نہ لاگے سورج کی نظر

واوِ معروف اور یائے معروف کو واوِ مجہول اور یائے مجہول کا قافیہ کرنا فائزؔ کے نزدیک معیوب ہے مگر یہ عیب بھی ان کے بعض شعروں میں موجود ہے۔ وہ شعر یہ ہیں :-

مرے دردِ دل کا ہوا اک دم طبیب　　جدائی سے تیری ہوا ناشکیب
ایک جانب میں بھانڈ کا ہے شور　　دیکھنا ان کا اہلِ دل کو ضرور
شبّیر و شبّر نبی کے عزیز　　جن سے کیا اہلِ حسد نے ستیز
مہرِ علی کی ہو جسے دل کے بیچ　　خوف سے محشر کے اُسے غم نہ پیچ

ان چند شعروں کے سوا قافیے کا کوئی عیب شاید اور کہیں نہ ملے گا۔ عروض کے قاعدوں کی پابندی ہر جگہ کی گئی ہے۔ بعض شعر پہلی نظر میں ناموزوں معلوم ہوں گے لیکن کلام کی موزونیت کے لیے لفظوں کے تلفظ میں جو تبدیلیاں فائزؔ نے جائز رکھی ہیں اور جن کا ذکر فائزؔ کی زبان کے سلسلے میں کیا جا چکا ہے اگر وہ نظر میں رکھی جائیں تو کوئی مصرع ناموزوں نہ ٹھہرے گا۔

دیوانِ فائزؔ کا رسم الخط فائزؔ کے دیوان کا قلمی نسخہ جو اس مطبوعہ نسخے کی اصل ہے۔ اس کے رسم خط میں کچھ ایسی خصوصیتیں ہیں جن سے اس کے پڑھنے میں بہت دقت ہوتی ہے قارئین کو اس دقّت سے بچانے کے لیے یہ کیا گیا ہے کہ جن لفظوں کا املا بدل دینے سے اُن کے تلفظ میں تبدیلی ہو جانے کا احتمال نہیں تھا ان کی صورت

اُردؤ کے موجودہ رسم خط کے مطابق کردی گئی ہے ۔ لیکن وہ اور دو ، کو اور کوں ، تھی اور تی ، تھا اور تا ، بی ، سبی ، اور سبوں کو ہر جگہ نہایت احتیاط سے اصل کے مطابق لکھا ہے ۔ اس لیے کہ ان لفظوں کی صورت بدلنا ان کا تلفظ بدلنے کے برابر تھا ۔ اصل نسخے کی رسم خط کی خصوصیتیں مثالوں کے ساتھ ذیل میں درج کی جاتی ہیں ۔

۱۔ بھی ، سبھی اور سبھوں کو ہمیشہ بی ، سبی اور سبوں لکھا ہے ۔

۲۔ تھی کو بعض جگہ تی اور ایک جگہ تھا کو تا لکھا ہے ۔ تو ہی کو بعض جگہ توئی لکھا ہے ۔

۳۔ وہ کو زیادہ تر وو اور کبھی تلفظ کے اعتبار سے وَ دؤ) لکھا ہے ۔

۴۔ پیش کی حرکت ظاہر کرنے کے لیے بعض جگہ واو سے کام لیا ہے مثلاً اوس (اُس) مورکی (مُرکی) ، موکی (مُکی) ۔ بہوت (بہت)

(۵) زیر کی حرکت کے اظہار کے لیے کبھی کبھی یے سے کام لیا ہے مثلاً دیکھاوے (دکھاوے)

۶۔ معروف اور مجہول یے میں امتیاز نہیں کیا گیا ہے ۔ مثلاً کی (کے) ، ہی (ہے) ، مجی (مجھے)

۷۔ دو چشمی ہے اور کھنی دار ہے میں فرق نہیں کیا ہے ۔ مثلاً بھم (بہم) بہولی (بھولی) بہلجہری (پھلجھڑی) بہونہ (بھوں)

۸۔ گاف پر ہمیشہ ایک ہی مرکز لگایا ہے ۔

۹۔ ٹ ۔ ڈ ۔ ڑ کو ہمیشہ تؕ ۔ دؕ ۔ رؕ لکھا ہے ۔

۱۰۔ ہے کی جگہ بعض دفعہ بدل دی ہے مثلاً باہمن (باہمن) ۔

کتھرانی (کھترانی) پہنچی (پہنچی)

۱۱۔ مخلوط ہے کو بعض جگہ حذف کر دیا ہے مثلاً سکی (سکھی)۔ اندیاری (اندھیاری) انکیاں (انکھیاں) تماری (تمھاری) لک (لکھ) سات (ساتھ) ہات (ہاتھ) دود (دودھ) سُد بُد (سُدھ بُدھ) تجکو (تجھ کو) مجکو (مجھ کو)

(۱۲) نون غنہ پر ہمیشہ نقطہ لگایا ہے۔

(۱۳) ہوتی ہیں کو ایک دو جگہ ہوتیں ہیں اور پڑتے ہیں کو ایک جگہ پڑتیں ہیں لکھا ہے۔

(۱۴) علامت فاعل نے کو ایک دو جگہ نین لکھا ہے۔

(۱۵) آؤ، بلاؤ، بھلاؤ، کو آوو، بلاوو، بھلاوو لکھا ہے۔

(۱۶) ایک جگہ دنوں کو دنو اور ایک جگہ پاؤں پانوو لکھا ہے۔

(۱۷) پہچان کو پچان اور پہچانا کو پچھانا لکھا ہے۔

(۱۸) کو اور کون (کو) دونوں استعمال کیے ہیں۔ دو جگہ کون لکھنے کے بعد نون کو چھیل دیا ہے مگر اس کا نشان باقی رہ گیا ہے۔ ایک جگہ تو کو توں اور ایک جگہ تلے کو تلیں لکھا ہے۔

(۱۹) جن لفظوں کے آخر میں ہائے مختفی ہوتی ہے ان میں امالہ کرنے کے موقعوں پر کبھی ہے کو یے سے بدل دیا ہے اور کبھی نہیں بدلا ہے۔

(۲۰) اک کو کبھی ایک اور کبھی یک لکھا ہے۔

(۲۱) بعض لفظوں کو کئی کئی طرح لکھا ہے مثلاً مُک، مُکہ، مُکھ (مُکھ) موہ، موہہ، مونہ، مونہہ (منھ) مہرخان، مہرخاں۔

(۲۲) منبر، سنبل، عنبر وغیرہ کے قیاس پر ہندی لفظوں میں میم بے کی جگہ نون بے لکھا ہے۔ مثلاً تبنو (تمبو) بنبہ (بمبا)

۲۳۔ چمپا کو چنپا اور برمھا کو برنبھا لکھا ہو۔

۲۴۔ حروف معنوی کو اکثر ان کے متعلقہ الفاظ سے ملاکر لکھا ہو مثلاً نرہ (نہ رہ) دلکو (دل کو) جیکو (جی کو) نکریں (نہ کریں) غمسوں (غم سوں) بیوقر (بے وقر) مجسا (مجھ سا) بینے (بین نے) نمارو (نہ مارو)

۲۵۔ کہیں کہیں لفظوں کے بے موقع ٹکڑے کر دیے ہیں۔ مثلا بن نا ہی (بنتا ہی) لٹک تا ہی (لٹکتا ہی) منک نا ہی (مٹاتا ہی) نہ ہیں (نہیں) چھڑک تی ہیں (چھڑکتے ہیں) کل کلاتی ہیں (کھلکھلاتی ہیں) کہل بلی (کھلبلی)۔

۲۶۔ کاف اور لام کا جوڑ رسے سے اس طرح ملایا ہو کہ کبھی کبھی کہنی دار ہے بن گئی ہو مثلا پکہرا (پکڑا) لہری (لڑی)۔

۲۷۔ موزونیت کی ضرورت سے جہاں لفظوں کے تلفظ میں فرق کر دیا گیا ہو وہاں بھی رسم خط اصل تلفظ کے مطابق رکھا ہو۔ مثلاً نہیں فع کے وزن پر۔ سورج، اوپر فعَل کے وزن پر۔ دیوانہ، فعولن کے وزن پر۔ ایک فع کے وزن پر

رسم خط کی یہ بے قاعدگیاں بہ ظاہر چھوٹی چھوٹی سی معلوم ہوتی ہیں۔ مگر یہی جب کئی کئی مل کر کسی لفظ یا فقرے میں آجاتی ہیں تو اس کا پڑھنا دشوار ہو جاتا ہی۔ ذیل کی مثالوں سے اس دشواری کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہی:۔

کاری = گاڑی ۔ بکار = بگاڑ ۔ اب چہرا = اپچھرا ۔ کور = گرڈ ۔ باند = بھانڈ ۔ کہرا = گڑھا ۔ اکری = اگری ۔ اوبہتا = اوبھٹا ۔ پنکہت = پنگھٹ ۔ آکی = آگے ۔ توجہی = تجھے ۔ کری = کھڑی۔ رنبہا = رمبھا ۔ نکنبود = نگمبود ۔ دودپیری = دودھ پڑے ۔

کرتی ہیں = گرتے ہیں – کڑتا ہوں = گڑھتا ہوں – لاکے ہی = لاگے ہی – کا کا کی = گاگا کے – کالی ندی کمانی = گالی نروے گمانی – یہ آخری مثال بہت پُرلطف ہی – اب ایک مثال اس سے بھی زیادہ پرلطف پیش کی جاتی ہی جس سے واضح ہوجائے گا کہ دیوان فائز کا جو قلمی نسخہ میرے پیش نظر تھا اس کے بعض مقامات کا صحیح پڑھ لینا کتنا دشوار تھا۔ وہ مثال یہ ہی – "تن جدھارا کہ کل یں ست سیلی" = تن چڑھا راکھ گل یں شت سیلی (یعنی بدن پر راکھ مل کے اور گلے میں سیلی ڈال کے)۔

رسم خط کی انھیں بے قاعدگیوں کا نتیجہ ہی کہ بعض لفظوں کے متعلق یہ نہ معلوم ہو سکا کہ فائز کے زمانے میں اُن کا تلفظ کیا تھا اور بعض کے متعلق یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکا کہ فائز نے ان کو مذکر باندھا ہی یا مونث۔ مجبوراً ان لفظوں کے تلفظ اور تذکیر و تانیث میں موجودہ زبان کا اتباع کیا گیا ہی۔

ملحقاتِ مقدّمہ

(اس کتاب کی تالیف و ترتیب اور کتابت و طباعت کے درمیان میں بہت سا وقت گزر گیا۔ اس اثنا میں مطالعہ جاری رہا اور کام کی باتیں معلوم ہوتی رہیں۔ اُن میں سے بیشتر کتاب کے مقدمے میں مناسب مقاموں پر درج کر دی گئیں۔ بقیّہ یہاں لکھی جاتی ہیں۔ ہر بات کے شروع میں کتاب کے اُس صفحے اور سطر کا حوالہ دے دیا گیا ہے جس سے اُس کا تعلق ہے۔)

ص ۲۳ س ۹۔

حکیم الممالک اور مومن علی خاں دونوں حکیم محمد مومن شیرازی کے خطاب ہیں۔ اُس کا کچھ حال اُس کی غیر مطبوعہ عربی تصنیف خزانۃ الخیال سے یہاں لکھا جاتا ہے۔ حکیم نے اس کتاب میں ایک جگہ لکھا ہے کہ میں نے ۹ر شوال ۱۱۲۰ھ کو اس کی تصنیف سے فرصت پائی۔

حکیم محمد مومن بن حاجی محمد قاسم بن حاجی محمد ناصر بن حاجی محمد الجزائری نسلاً عرب تھا۔ مگر اُس کی پیدائش اور پرورش شیراز میں ہوئی۔ شہنشاہ اورنگ زیب کے عہد میں وہ دکن آیا اور کچھ دن عسرت

میں بسر کیے۔ آخر چند اُمرا اُس کے حال پر مہربان ہو گئے، جن میں امیر شمس الدین علی اصفہانی مخاطب بہ مخلص خاں، امیر برہان الدین خراسانی مخاطب بہ فاضل خاں، امیر محمد مہدی اردستانی مخاطب بہ حکیم الملک اور حکیم محسن خاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اِن لوگوں کی ہدایت کے مطابق محمد مومن نے ایک کتاب جس سے طب کے علاوہ حدیث، تفسیر اور حکمت سے واقفیت کا بھی اظہار ہوتا تھا جنّاتُ عدن کے نام سے لکھ کر اورنگ زیب کی خدمت میں پیش کی۔ بادشاہ نے وہ کتاب بہت پسند کی اور صدر الصدور نواب سیادت خاں بلخی کو دکھائی۔ اُس نے بھی اُس کی بہت تعریف کی۔ بادشاہ نے اُس کے صلے میں ایک چھوٹا سا منصب اور کچھ انعام مصنف کے لیے تجویز کیا اور اُس کو اپنے پوتے محمد معز الدین جہاندار شاہ ابن محمد معظّم قطب الدین بہادر شاہ کے ساتھ کر دیا۔ وہ شاہزادہ اُس پر بہت مہربان ہو گیا۔ کچھ دن بعد اورنگ زیب نے جہاندار شاہ کو ملتان اور سندھ وغیرہ کی حکومت دے کر دکن سے رخصت کر دیا۔ حکیم بھی اُس کے ہمراہ تھا۔ ملتان کے قیام کا زمانہ بڑے عیش میں گزرا۔ کچھ مدّت کے بعد خبر ملی کہ اورنگ زیب کا انتقال ہو گیا ہے اور محمد معظم اُس کی جگہ تخت پر بیٹھ گیا ہے۔ شاہزادہ جہاندار فوراً دہلی کی طرف روانہ ہو گیا۔ کچھ دن خانہ جنگی ہوتی رہی۔ آخر محمد معظم بہادر شاہ تخت کے اور سب دعویداروں کو زیر کر کے ہندوستان کی سلطنت کا مالک بن گیا اور اپنے بیٹوں کو خاص کر جہاندار شاہ کو بڑے بڑے منصب اور انعام عطا کیے۔ کچھ زمانے کے بعد حکیم نے وطن جانے کی اجازت مانگی جو شاہزادے نے نہ دی اور اُس پر پہلے سے زیادہ مہربانی کرنے لگا۔ اُس نے بادشاہ سے بھی حکیم کا ذکر بہت تعریف کے ساتھ کر کے اُس کو دربار میں پہنچا دیا۔

حکیم نے اپنی تصنیف زہرۃ الحیاۃ الدنیا جو نظم و نثر پر مشتمل تھی پیش کی اور بادشاہ نے اس کو پسند کیا۔ ابھی زیادہ مدت نہیں گزری تھی کہ محمد معظم بہادر شاہ نے دنیا سے رحلت کی اور عنان سلطنت جہاندار شاہ کے ہاتھ میں آئی۔ اُس نے حکیم پر بہت نوازشیں کیں اور اُس کو سہ ہزاری دو صد سوار کا منصب اور حکیم الممالک مومن علی خاں کا خطاب عطا کیا۔ اس کا ذکر حکیم نے اپنی تصنیف طیف الخیال میں کیا ہے۔ اب امرا میں اُس کا شمار ہونے لگا اور بادشاہ کا انتہائی تقرب حاصل ہو گیا۔ جب حکیم کے پاس بہت دولت جمع ہو گئی تو اُس نے وطن جانے کی خواہش کی۔ مگر بادشاہ نے اُس کی درخواست نامنظور کر دی اور اُس کو خوش رکھنے کے لیے انعام و اکرام میں اور اضافہ کر دیا۔ آخر حکیم نے وطن کو خیرباد کہہ کر ہندوستان میں قیام جاری رکھا۔

(خزانۃ الخیال کا قلمی نسخہ جو میرے سامنے ہے اُس میں بڑی تقطیع کے چار سو آٹھ صفحے اور ہر صفحے میں اٹھائیس سطریں ہیں۔ اُس کی کتابت رجب ۱۲۵۴ھ میں تمام ہوئی۔ کاتب کا نام محمد رضا ہے۔ خط خفی اور اچھا ہے)

ص ۳۵ س ۹۔

مآثر عالم گیری میں علی مردان خاں کے ایک اور بیٹے محمد علی بیگ کا ذکر ملتا ہے، جو جلوس عالم گیری کے چودھویں سال ۱۰۸۲ھ میں ایران سے آ کر دربار شاہی میں باریاب ہوا اور اُس کو خلعت، شمشیر، مرصع خنجر، موتیوں کا مالا اور دس ہزار روپے نقد مرحمت ہوئے۔ پھر اُسی سال اُس کو دو ہزاری دو ہزار سوار کا منصب، علی قلی خاں کا خطاب، علم، نقارہ اور تیس ہزار طلائی اور نقرئی سکے عنایت ہوئے۔

صفحہ ۳۶ آخری سطر۔

مآثر الامرا میں ابراہیم خاں کے صرف دو بیٹوں یعقوب خاں اور زبردست خاں کا ذکر کیا گیا ہے۔ مگر مآثرِ عالم گیری میں اُس کے ایک اور بیٹے فدائی خاں کا حال بھی ملتا ہے۔ جلوس عالم گیر کے تیسرے سال ۱۰۷۰ھ میں جب سلطان شجاع کے فرار کے بعد شاہزادہ محمد نے ندامت کا اظہار کیا تو فدائی خاں مامور کیا گیا کہ اُس کو بادشاہ کے حضور میں لے آئے۔ بعد کو وہ اودھ، کابل اور بہار کا صوبہ دار رہا۔ جلوس عالمگیر کے ستائیسویں سال ۱۰۹۴ھ میں ابراہیم خاں نے اُس کو تبت کی مہم پر بھیجا اور اُس کے حُسنِ سعی سے اُس ملک کا کچھ حصّہ فتح ہو کر شاہی مملکت میں شامل ہو گیا۔ اِس کے صِلے میں ابراہیم خاں کے منصب پنج ہزاری پنج ہزار سوار پر دو ہزار سوارِ دو اسپہ کا اضافہ کیا گیا اور خلعت خاصہ، خنجر مرصع، پھول کٹارہ، سات ہزار روپے قیمت کا موتیوں کا مالا، عراقی گھوڑا مع ساز طلائی دو صد مُہری، پندرہ ہزار روپے کا ایک ہاتھی اور ایک کرور دام نقد مرحمت ہوئے اور ایک شاہی فرمان کمال تحسین و آفرین پر مشتمل صادر ہوا۔ خود فدائی خاں ہفت صدی چہار صد سوار کے منصب سے ترقی پا کر ہزاری ہفت صد سوار کے منصب پر سر بلند ہوا اور خلعت خاصہ، شمشیر زر نشان مع ساز مینا، عراقی گھوڑا مع ساز طلائی صد مُہری اور گیارہ ہزار روپے قیمت کا ہاتھی سرکار شاہنشاہی سے اُس کو عنایت ہوا۔ جلوس عالم گیر کے چوالیسویں سال ۱۱۱۲ھ میں فدائی خاں ترہت اور دربھنگہ کا فوجدار مقرّر ہوا اور اُس کے منصب دو ہزار و پانصدی دو ہزار و پانصد سوار پر پانصدی کا اضافہ بلا شرط کیا گیا۔

صہ ۳۷ س ۱۳۔

تذکرہ انیس العاشقین کے مؤلف کنور رتن سنگھ زخمی نے اور اُن کے بعد تذکرہ صبحِ گلشن کے مؤلف نواب حسن علی خاں نے ایک زبردست خاں کا ذکر کیا ہے جو وفائی تخلص کرتا تھا اور اس کا یہ شعر نقل کیا ہے:-

بر نمی دارید تابوتم چرا از کوے او
آنکہ خونم ریخت کے بہرِ نماز آید بروں

پہلے مصنف نے زبردست خاں کو "از اولادِ علی مردان خاں" اور دوسرے نے "نبیرۂ علی مردان خاں" لکھا ہے۔ اس سے خیال ہو سکتا تھا کہ فائز کے والد زبردست خاں فارسی کے شاعر تھے اور فدائی تخلص کرتے تھے۔ مگر زخمی نے یہ بھی لکھا ہے:- "فقیر در ایامِ طفلی او را در لکھنؤ دیدہ بودم۔" زخمی نے یہ تذکرہ ۱۲۳۰ھ کے قریب لکھا اور وہ ۱۲۶۷ھ تک زندہ رہے۔ اگر اُن کی یادنے غلطی نہیں کی ہے تو یہ زبردست خاں ہمارے زبردست خاں کا کوئی پوتا ہو سکتا ہے۔ دادا کا خطاب پوتے کو مل جانا اُس زمانے میں کوئی عجیب بات نہ تھی۔

صہ ۳۷ س ۱۷۔

فائز کی ایک بہن زبدۃ النسا تھیں۔ میں نے آئمۂ معصومین کی مدح میں فارسی نظموں کا ایک ضخیم مجموعہ دیکھا ہے، جس کا بہت بڑا حصّہ اُن کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اُس میں اُنھوں نے تین جگہ اپنا نام اس طرح لکھا ہے:-

" زبدۃ النسا بنت زبردست خاں ابن ابراہیم خاں
روز پنجشنبہ "ہشتم سفر (کذا) در لکھنؤ" نوشتہ۔"

" ایں بحر طویل و ہر دو مدح و رباعی را زبدۃ النسا بنت
زبردست خاں نوشتہ است۔"

" ایں رباعیات را زبدۃ النسا بنت زبردست خاں
نوشتہ است۔"

ص ۳۸ س ۱۔

میرے کتب خانے میں ایک قلمی کتاب کے اٹھائیس ورق موجود ہیں۔ شروع کے تین ورق اور آخر کا کچھ حصّہ غائب ہے۔ یہ کتاب ۱۲۴۸ھ میں لکھی گئی تھی۔ اس میں محمد شاہی عہد کے امیر الامرا نواب صمصام الدولہ خان دوراں خان بہادر کے خاندان والوں کے مختصر حالات درج ہیں۔ مصنّف کتاب بھی اسی خاندان کی ایک فرد تھا۔ اُس نے تین چار جگہ نواب صدرالدین محمد خاں کا ذکر کیا ہے۔ دو جگہ کی متعلقہ عبارتیں نقل کی جاتی ہیں:۔

" نواب صدرالدین محمد خاں بہادر نبیرہ نواب علی مردان
خاں کہ با صمصام الدولہ بہادر ربط محبت و دوستی
زیادہ از حد داشت۔"

" نواب صدر الدین محمد خاں بہادر کہ شہرۂ علم و کمال و فضل و ہنر و لطیفہ گوئی و بذلہ سنجی" ایشان کالشمس فی نصف النہار بود۔"

یہ عبارتیں بتاتی ہیں کہ نواب صدر الدین" محمد خاں (فائز)" علم و فضل، ہنر و کمال میں شہرت رکھتے تھے اور ایک شگفتہ مزاج، لطیفہ گو اور بذلہ سنج شخص تھے۔ اُن میں اور نواب صمصام الدولہ میں بڑی دوستی اور بے حد محبت تھی۔

ص ۳۹ س ۲۔

امیر الامرا صمصام الدولہ خان دوران خاں خواجہ بہاء الدین نقش بند کی اولاد میں تھا۔ اُس کا نام خواجہ عاصم اور وطن اکبر آباد تھا۔ اُس کے تین بھائی تھے، دو بڑے خواجہ انور اور خواجہ جعفر اور ایک چھوٹا خواجہ مظفر۔ خواجہ انور نے بردوان کی طرف انتقال کیا۔ خواجہ جعفر نے درویشی اختیار کرلی۔ اُس کا بیٹا خواجہ باسط اپنے علم و اخلاق، زہد و ورع کے باعث مرجع خلائق تھا۔ پہلے دہلی میں مقیم تھا، بعد کو لکھنؤ چلا آیا اور یہیں کوئی ستر برس کی عمر میں ۱۱۷۰ھ میں انتقال کیا۔ "شیخ مومنین باسط" سے سال وفات نکلتا ہے۔ اُس کا مزار لکھنؤ میں معالی خاں کی سرا کے قریب ایک بلند مقام پر تھا جو خواجہ باسط کا ٹیلا کہلانے لگا تھا۔ خواجہ مظفر نے قمقام الدولہ مظفر خاں کا خطاب حاصل کیا اور کچھ دن اجمیر کا صوبہ دار رہا۔ خواجہ عاصم ابتدا میں بہادر شاہ کے بیٹے شاہزادہ عظیم الشان کی سرکار میں نوکر تھا۔

جب وہ شاہزادہ قتل کر ڈالا گیا اور محمد معز الدین تخت نشین ہوا تو خواجہ عاصم نے بہار کا رُخ کیا اور محمد فرّخ سیر کی ملازمت حاصل کر لی۔ محمد معز الدین کے قتل ہو جانے کے بعد فرخ سیر کا تسلّط ہوا۔ خواجہ عاصم نے خوب ترقی کی اور صمصام الدولہ خان دوران بہادر کا خطاب پایا۔ جب امیر الامرا حسین علی خاں دکن کے بند وبست کے لیے جانے لگا تو اُس نے صمصام الدولہ کو اپنا نائب بنا کے شاہی دربار میں داخل کر دیا۔ حسین علی خاں کے قتل کے بعد محمد شاہ کی سرکار سے صمصام الدولہ کو میر بخشی کا عہدہ، امیر الاُمرا کا خطاب اور ہشت ہزاری منصب عطا کیا گیا۔

صمصام الدولہ خوش وضع خوش گفتار اور خوش اخلاق شخص تھا، علما و فضلا کی صحبت بہت پسند کرتا تھا۔ طبیعت موزوں تھی، کبھی کبھی شعر بھی کہہ لیتا تھا۔ ایک دن وہ فرّخ سیر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ اُس وقت آئینہ دیکھ رہا تھا۔ صمصام الدولہ نے اپنا یہ مطلع پڑھا:-

سحر خورشید لرزاں بر سر کوے تو می آید
دلِ آئینہ را نازم کہ بر روے تو می آید

ایک دن صبح کے وقت مُلّا ساطع کشمیری صمصام الدولہ کی ڈیوڑھی پر حاضر ہوا۔ جب نواب کی سواری دروازے کے قریب پہنچی تو مُلّا نے اُس کے اِس مطلعے کے پہلے مصرعے کو تضمین کر کے یہ شعر بلند آواز سے پڑھا:-

بدرگاہت کہ آرد ساطع از ذرّہ کمتر را
سحر خورشید لرزاں بر سر کوے تو می آید

صمصام الدولہ خوش ہوا اور مُلّا کو دو ہزار روپے مرحمت کیے۔ مُلّا نے عرض کیا کہ میں نے بادشاہ کی مدح میں ایک قصیدہ کہا ہے اور شاہی ملازمت حاصل کرنے کا امیدوار ہوں۔ نواب نے اسی دن مُلّا کو دربار میں پہنچا دیا۔ مُلّا نے قصیدہ پیش کیا جس کے صلے میں خلعت، خان کا خطاب، منصب، جاگیر اور کشمیر میں کوئی عہدہ اُس کو عنایت ہوا۔ نواب نے بھی مُلّا کو دو ہزار روپے مرحمت کیے۔

مُلّا ساطع کا شاگرد رافع کشمیری صمصام الدولہ کے ساتھ رہتا تھا۔ ایک مرتبہ اُس نے اپنا یہ شعر پڑھا:-

کفم چو کاسۂ گرداب، ہمچناں خالیست
بہ آں محیط کرم گرچہ آشنا شدہ اَم

نواب نے اِس شعر کے صلے میں ہزار روپے عنایت کیے۔

جب نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کیا تو محمد شاہ کی فوج نے دہلی سے آگے بڑھ کر اُس کا مقابلہ کیا۔ اِس جنگ میں صمصام الدولہ اور قمقام الدولہ دونوں بھائی قتل ہو گئے۔ صمصام الدولہ کے تین بیٹے مارے گئے اور ایک بیٹا عاشور خاں یا خواجہ عاشوری دشمن کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا۔ اُس نے بعد کو بہت ترقی کی۔ یہاں تک کہ عالمگیر ثانی کے عہد میں امیر الامرائی کے درجے تک پہنچ گیا۔

(صمصام الدولہ کے یہ حالات تاریخ مظفری، مآثر الامرا، خزانۂ عامرہ، مثنوی باسطی اور ایک گمنام قلمی کتاب سے ماخوذ ہیں۔)

صـ ۴۴ س ۱۸۔
شکار کی طرح شہسواری کا بھی فائزؔ کو بہت شوق تھا اور گھوڑوں کے متعلق ہر طرح کی معلومات حاصل کرنے کی فکر رہتی تھی۔ اُنھوں نے اس موضوع پر تحفۃ القدر کے نام سے ایک رسالہ بھی لکھا ہے۔ اس کے دیباچے میں کہتے ہیں:-

"در اوان حداثت سن و عنفوان شباب بنا بر اقتضاے سن اکثر مشغول بہ سیر و شکار بود، علی الخصوص بہ سواری اسپ کہ بہترین مرکوبات است قدرًا و منزلۃً۔ دوران اوقات با جمعے کہ مہارت در شناختن اسپ داشتند نکتۂ چند در ذات و صفات و عیب و ہنر آں تقریر می نمود۔ چوں ایں عاصی شوق زیادتے بہ آں داشت بعضے اُمور از آنہا استماع می نمود۔ تا آنکہ فرس نامۂ چند جمع نمود۔ و بعد مطالعۂ آنہا........"

باغوں کی سیر اور باغبانی کے فن سے بھی فائزؔ کو بہت دلچسپی تھی۔ انھوں نے اِس فن کی کتابیں پڑھی تھیں اور خود ایک رسالہ لکھا تھا، جس کا نام زینت البساتین ہے۔ اس کے دیباچے میں لکھتے ہیں:-

"در عنفوان شباب چوں سیر گلستاں بسے مرغوب بود بخاطر قاصر خطور کرد کہ شمۂ از احوال اشجار و نجوم تحریر نماید۔ بنا ٴً علیہ از روے کتب ایں فن

مثل شفا و منہاج و ذخیرہ و کناس یو حنا و
عجائب المخلوقات و تقویم الصحۃ و آثار اخبار رشیدی
و کتب فلاحت آنچہ مناسب دانست بقید تحریر
در آورد ۔"

ص ۴۶ س ۱۴۱۔

فائز کو ہاتھی گھوڑے اور دوسرے سواری کے جانوروں سے خاص دلچسپی تھی اور اُن کے یہاں یہ جانور اچھی خاصی تعداد میں موجود رہتے تھے ۔ اُن کی تصنیف تحفۃ الصدر میں جگہ جگہ اُن کا ذکر آیا ہے ۔ ذیل میں اس کتاب کی متعلقہ عبارتوں کا آزاد ترجمہ پیش کیا جاتا ہے ۔ اِن عبارتوں میں 'نواب صاحب' سے فائز کے والد نواب زبردست خاں مراد ہیں :۔

غفران منزلت سرکار نواب صاحب قبلہ کے طویلے میں ایک کشمشی رنگ کا عراقی گھوڑا 'مجبوب' نام تھا ۔ تیس سال کی عمر تھی ۔ اکثر دانت ٹوٹ گئے تھے۔ گھاس نہیں کھا سکتا تھا ، ملیدہ کھاتا تھا ۔ مگر تیزی اور تندی میں کمی نہیں ہوئی تھی ۔ میں اُس کو 'مجبوب پیر' کہتا تھا ۔

جن دنوں میں بندگان نواب صاحب و قبلہ اجمیر میں تشریف فرما تھے اُن کے طویلے سے ایک گھوڑا

چھوٹ گیا۔ اُس نے ایک شخص کا بازو اور دوسرے کا شانہ چبا ڈالا اور چند آدمیوں کو ادھ مرا کر دیا۔ نواب صاحب کو خبر کی گئی تو انھوں نے اُس کو مروا ڈالا۔

ایک دن غفران منزلت سرکارِ بندہ نواب صاحب ایک دریا سے گزر رہے تھے۔ ایک کمیت عراقی گھوڑا اُن کی سواری میں تھا۔ وہ دریا کے بیچ میں اکبارگی بیٹھ گیا۔ اُس کو نواب صاحب نے ذبح کروا دیا۔

بعض گھوڑے کسی عداوت کے سبب سے کسی خاص شخص کو سواری نہیں دیتے۔ چنانچہ میرے پاس ایک بہت خوب صورت صندلی ابلق ترکی گھوڑا تھا جو حسن رفتار میں بے نظیر تھا اور اس لیے مجھ کو اس کی سواری بہت پسند تھی۔ ایک دن میرے ڈانٹنے سے وہ مجھ سے ناراض ہو گیا۔ اُس دن سے وہ بڑی مشکل سے بہت منت سماجت کے بعد مجھ کو سوار ہونے دیتا تھا۔ اور کسی کی سواری سے نہیں بگڑتا تھا۔

میں نے اِس دوا کی تعریف سرکارِ نواب غفران پناہ

کے آختہ بیگی محمد بیگ کی زبان سے بھی سنی اور خود بھی کئی مرتبہ اس کا تجربہ کیا۔ میں نے ایک گھوڑا تین ہزار روپے کا خریدا تھا۔ اتفاق سے وہ ایک ہفتے ہی کے بعد سخت بیمار ہو کر ہلاکت کے قریب پہنچ گیا۔ آخر اسی دوا سے اچھا ہوا۔

میں نے سات سو روپے کا ایک گھوڑا خریدا تھا۔ اس رنگ کا گھوڑا دیکھنے میں نہیں آیا۔ اس پر سُرخ، سیاہ، زرد، سفید اور رنگ رنگ کے ہزار سے زیادہ گل پڑے ہوئے تھے۔ ایسا رنگین اور خوش رنگ تھا کہ دارالخلافت میں روزانہ اس کو دیکھنے کے لیے لوگ آیا کرتے تھے۔ جشن کے دن بادشاہ کے حضور میں نذر کر دیا اور قبول ہوا۔

خچر کے سب رنگوں میں یک رنگ سیاہ سب سے بہتر ہوتا ہے، اس کے بعد نیلا۔ رضوان مکان سرکار نواب صاحب و قبلہ نے ایک نیلے رنگ کا خچر ڈیڑھ ہزار روپے کا خرید کر مجھے مرحمت فرما دیا تھا۔ وہ قد میں عراقی گھوڑے کے قریب تھا اور بڑا خوش رفتار تھا۔ ہندوستان میں خچر کی سواری معیوب سمجھی جاتی ہے اس لیے میں اس پر سوار نہیں ہوتا تھا۔

اونٹ کی لڑائی سے بہتر کوئی تماشا نہیں۔ وہ عجیب و غریب حرکتیں کرتا ہے۔ ہاتھی کی لڑائی سے بہتہ ہوتی ہے۔ اُس کا فقط نام ہی نام ہے۔ میں نے کئی دفعہ دیکھی۔ کوئی خاص لُطف نہ آیا۔

سرکارِ عالی (نواب زبردست خاں) کے ہاتھیوں میں اکثر جو بڑے قد کے تھے وہ شیر سے لڑنے میں کوتاہی کرتے تھے اور جو میانہ اور چھوٹے قد کے تھے وہ بڑے بہادر تھے۔ ایک ہاتھی جو ابھی بچہ تھا شیر کا سر منھ میں لے کر چبا ڈالتا تھا اور اس طرح اُس کو مار ڈالتا تھا۔

ہاتھی کے سَر کے بال، خاص کر ہتھنی کے، جتنے بڑے ہوں اُتنا ہی اچھا۔ سرکارِ عالی میں ایک ہتھنی تھی جس کے سَر کے بال ڈیڑھ بالشت لمبے تھے۔ بڑی خوبصورت اور خوش رفتار تھی۔ سرکار نے وہ ہتھنی مجھے مرحمت فرما دی تھی۔

ص ۶۵ س ۱۱۔

شیخ علی حزیںؔ کے چار خط جو نواب صدرالدین محمد خان بہادر فائزؔ کے بیٹے اشرف الدولہ میرزا حسن علی خاں بہادر کے نام ۱۱۵۴ھ میں سے د: یقیناً لاہور سے بھیجے گئے تھے۔ اِن

خطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اشرف الدولہ شاہی منصبدار تھے۔ ان میں اور شیخ حزیں میں قلبی ارتباط تھا۔ وہ اُن دنوں سخت پریشان تھے اور اُن کی پریشانی کا سبب شیخ کے لفظوں میں "شرِ مخاصمان"، "دونِ خصلتی ناکسان زمانہ" اور "سلوک ناہنجار اشرار نابکار" تھا۔ شیخ نے اُن کو اطمینان دلایا ہے اور لکھا ہے کہ آپ کی خواہش کے مطابق میں نے آپ کے بارے میں حکیم الملک اور دوسرے معززین کو تاکیدی خطوط لکھ دیے ہیں۔ خدا نے چاہا تو میری زندگی میں آپ کو کوئی ملال اور تکلیف نہ پہنچے گی۔ آپ میرے پاس چلے آیئے، یہاں آپ کے آرام و آسایش کا انتظام کر دیا جائے گا۔ دوستوں کے وسیلے سے بادشاہ سے رخصت حاصل کر کے سفر کا سامان خاموشی کے ساتھ کیجیے تاکہ لوگوں کو پہلے سے اس کی خبر نہ ہونے پائے۔ دو تین بہلوں پر اسباب رکھ کر اور پالکی پر سوار ہو کر قافلے کے ساتھ سفر کیجیے، اس لیے کہ ادھر کے راستے بہت خراب ہیں۔ شیخ نے اس سفر کی ایک ضرورت بھی پیدا کر دی ہے اور لکھا ہے کہ میری بہن کی شادی درپیش ہے اور سب لوگ آپ کی تشریف آوری کے منتظر ہیں۔

شیخ علی حزیں کے ایک خط میں، جس کے مکتوب الیہ کا نام معلوم نہیں ہو سکا، یہ عبارت ملتی ہے:-

"سفارش اطفال سید نظام را در حضور سامی
بہ سید عماد الدین خاں صاحب حفظ نمودہ و سفارش
پسر صدر الدین محمد خاں را نیز نوشتہ بودم۔ از

خاطر شریف محو نہ گردد۔"

اِس عبارت سے تصدیق ہوتی ہے کہ شیخ نے اشرف الدولہ کے لیے بعض معزز لوگوں کو سفارشی خط لکھے تھے اور پھر اُن کو تاکیدًا یاددہانی بھی کی تھی۔

(رقعات حزیں کا جو مجموعہ میرے پیش نظر ہے وہ چھوٹی تقطیع کا ایک ضخیم قلمی نسخہ ہے جس کو پنڈت کنھیا لال کی استدعا پر بدری ناتھ نے نصف اکبر آباد میں اور نصف کانپور میں نقل کر کے ۱۹ ذی الحجہ ۱۲۵۵ھ کو ختم کیا۔)

خطبۂ کلیات فائز دہلوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لمن ابتدع نوع الانسان وکمله، واحسن خلقه وانطق لسانه، وافصح مقاله وصلی اللہ علی محمد وآله الطیبین واصحابه الراشدین۔ امابعد چنین گوید احوج عباد صدرالدین محمد بن زبردست خاں که درباب شعر گفتن علما را اختلاف است بعضے قائل اندکه جائز ہست ونزد برخے جائز نیست۔ بنا بر علیه شمۂ از مقولۂ فریقین درخطبۂ ایں رساله مرقوم می شود ومذہب اولیٰ اولیٰ است چناں چه از کلام ظاہر است۔ وحسن وقبح شعر تعلق بعلم معانی وبیان دارد کمالا یخفی علی من لحظ۔

بداں که علم معانی عبارت است از معرفت حاصله به تتبع خواص تراکیب کلام وانچه متصل شود بدو از استحسان وغیره، تا بواسطۂ وقوف بداں از خطا ایمن باشند در تطبیق کلام به مقتضائے حال۔ ومراد ایشان بر تراکیب بلغا است۔ وعلم بدیع عبارت است از معرفت قوانینے که از آن جا فصاحت تراکیب معلوم کنند تا بداں محترز باشند از خطا در تطبیق کلام بر مقتضائے حال در تبیین مراد وتزئین الفاظ بایراد انچه قریب الفہم وغریب النظم وجاذب الاستماع وعجب الابتداع بود۔ وقدمائے اہل عربیت میان ایں وعلم معانی وبیان فرق نه کردند وہر سه قسم را علم بدیع می گفتند، جہت اشتراک ایشاں در معرفت قوانینے که بداں محترز باشند از خطا در تطبیق کلام بر مقتضائے حال۔ وبنا بریں

میان فصاحت و بلاغت نیز فرق نہ کردند و ہر دو را از قبیل الفاظ مترادفہ قرار دادند۔ و جمعے از متاخرین مثل سراج الدین سکاکی وغیرہ علم معانی و بیان را از صناعت بلاغت نہادند و علم بدیع را از تتمات بلاغت۔ و بعضے دیگر علم بدیع را صناعت فصاحت گرفتند و معانی و بیان را صناعت بلاغت و مذہب اکثر ثقات کلام آنست کہ میان این علوم ثلثہ فرق ثابت، چہ میان بلاغت و فصاحت فرق است۔ بلاغت بمعنی تعلق دارد و فصاحت بلفظ۔ و ازیں جاست کہ گویند "معنیٰ بَلیغ و لفظ فَصیح" بدون عکس۔

و در تواریخ آمدہ است کہ نخستین کسے کہ شعر عربی گفت یعرب بن قحطان بود۔ و بعضے دیگر گفتند کسے کہ نخستین بہ عربی شعر گفت خلجان بن ادہم بود کاتب ہود علیٰ نبینا و علیہ السلام۔ و در تفاسیر آمدہ است کہ چون قابیل ہابیل را کشت آدم علیہ السلام در مرثیہ ہابیل این ابیات انشا فرمود:۔

تغیرت البلاد و من علیہا ۔۔۔ فوجہ الارض مغبر قبیح

تغیر کل ذی لون وطعم ۔۔۔ وقل بشاشة الوجہ الصبیح

فیا اسفیٰ علی ہابیل ابنی ۔۔۔ قتیل قد تضمنہ الضریح

وجاورنا عدو لیس یفنی ۔۔۔ لعین لا یموت فنستریح

و زعم این طائفہ آنست کہ آدم بہ حکم "وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا" بجمیع لغات عالم بود۔ و بعضے دیگر گفتند کہ این ابیات در اصل عربی نہ بود بعد ازان بہ زبان عربی آوردند۔ در تفسیر معالم التنزیل و در کتاب کامل التواریخ و زین القصص این شعر را از آدم نقل کردہ اند لیکن صاحب کشاف اسناد شعر گفتن بآدم کذب دانستہ۔ و امام رازی در تفسیر کبیر گفتہ "در صدق صاحب الکشاف" و نخستین کسے کہ بپارسی شعر گفت بہرام گور بود سبب آن بود کہ بہرام در ایام صبی پیش نعمان بن منذر مالک یمن می بود و او را پیش خود بردہ۔

وعرب را عادت چناں بود کہ در وقائع حرب رجز انشا کردندے وخود را می ستودندے۔ بہرام طبعے موزوں داشت۔ چوں رجزہائے عرب بسیار شنیدہ بود روزے ایں رجز بہ فارسی در مدح خود انشا کردہ:

منم آں پیل دمان منم آں شیر یلہ نام من بہرام گور کنیتم بوجبلہ

داو را عرب بوجبلہ خواندندے جہت آں کہ ضخامتے داشت۔ وگویند وضع کنیت از عہد او پیدا شدہ۔ وسبب آں بود کہ چوں او بہ یمن می رفت ہر یکے از بزرگان پسر یا برادر خود را با او فرستادند۔ چوں بہرام باز آمد و آں جماعت پیش او آمدند بہرام ایشاں را نمی شناخت۔ چوں تعریف ہر یکے می کردند می گفتند ہذا ابو فلان و ذاک اخو فلان و بعد ازاں آں کنیتہا برایشاں بماند۔ وبعضے گویند اول شعر پارسی ابوحفص حکیم گفتہ کہ در صناعت موسیقی دستے تمام داشت واو در سنہ ثلثمائۃ ہجری بودہ است وشعرے کہ بدو نسبت می کنند این است:۔

آہوے کوہی چگونہ در دشت دودا یار نہ دارد، بے یار کجا رودا

حاصل کہ درین اختلاف است واللہ اعلم

فائدہ اندر آں کہ شعر گفتن رواست یا نہ

جمہور علما برآنند کہ شعرے کہ در آں تحمید و تنزیہ باری تعالی باشد یا نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ یا غیرے سواء کان حیا او میتا بشرطے کہ راست بود یا نصائح و حکم باشد یا ہجو مشرکان جائز است۔ وآنچہ دال است بر صحت ایں قول چند وجہ است۔ اول آں کہ از کعب بن مالک روایت کردہ اند کہ او گفت کہ من با رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ گفتم "ان اللہ قد انزل

فی الشعر ما انزل" فقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ " ان المومن یجاہد بسیفہ و لسانہ والذی نفسی بیدہ لکانما ترمونہم بہ نضح النبل " وہم چنیں از براء بن عازب روایت است کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ در حرب بنی قریظہ بہ حسان ابن ثابت گفت " اہج المشرکین فان جبرئیل معک " واز ام المومنین عائشہ روایت است کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ در حق حسان فرمودہ ۔ "ان روح القدس لا یزال یویدک ما نافحت عن اللہ و رسولہ" وہم چنیں نقل است کہ چوں حدیث روز غدیر کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ فرمود " یا قوم الست اولی بکم من انفسکم " وایشاں گفتند " بلی یا رسول اللہ " رسول فرمود " من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللہم وآل من والاہ وعاد من عاداہ" و بہ حسان بن ثابت رسید ان را بہ نظم آورد بریں وجہ

ینادیہم یوم الغدیر نبیہم	بخم و اسمع بالرسول منادیا
فقال ومن مولاکم و ولیکم	فقالوا ولم یبدوا ہناک التعادیا
الہک مولانا وانت ولینا	ولم تجد منا لک الیوم عاصیا
فقال لہ قم یا علی فاننی	رضیتک من بعدی اماما وہادیا
ومن کنت مولاہ فہذا ولیہ	فکونوا لہ انصار صدق موالیا
ہناک دعا اللہم وآل ولیہ	وکن للذی عادی علیا معادیا

وچون ایں ابیات بسمع مبارک حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ رسید حسان را طلب داشت واشارت کرد تا بر خواند ۔ پس فرمود " انت موید بہ روح القدس یا حسان ما نصرتنا بلسانک " دویم آں کہ در کتب احادیث از رسول صلی اللہ علیہ وآلہ بسیار احادیث موزونہ باقرینہ ارادت وزن نقل کردند چنانچہ از جندب روایت است کہ چوں انگشت رسول صلی اللہ علیہ

وآلہ در بعضے از غزوات مجروح شد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ فرمود

"ہل انت الا اصبع دمیت وفی سبیل اللہ ما لقیت"

وایں از بحر رجز است۔ روایت است کہ روز جنگِ حنین چوں مشرکاں بر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ غلبہ کردند از استر بزیر آمد و فرمود۔

"انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب"

وایں از رجز مجزو است۔

وجمعے گویند انشاد شعر جائز نیست وتمسک باں بچند وجہ است۔ اول آں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ فرمود "الشعراء یتبعھم الغاوون"۔ دوم قولہ تعالیٰ "وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ" وجواب از اول آن است کہ مراد بداں شعرا کسانے اند کہ شعر بباطل ومدح بدروغ گفتہ اند واز دوم آن کہ ضمیر منصوب در "علمناہ" عاید بہ قرآن است نہ بہ رسول۔ ومعنی ایں آیہ چنیں می شود کہ ما نیا موختیم و فرو نہ فرستادیم قرآن را بہ شعر، بہ دلیل آں کہ در عقب فرمود "ان ہو الا ذکر وقرآن مبین"۔ لیکن ضمیر "علمناہ" را بہ قرآں عاید گرفتن دور از قاعدہ عربیت است وبر تقدیر تسلیم آیہ دلیل شود برآں کہ رسول شاعر نہ باشد نہ آں کہ گفتن شعر یا خواندن آں مر دیگرے را روا نیست۔

وبباید دانست کہ شعر خالی از مبالغہ نمی باشد ونزد جمعے مطلقاً ممدوح است چناں چہ گفتہ اند "خیر الکلام ما بولغ فیہ واحسن الشعر اکذبہ" وجمعے براں رفتہ اند کہ مبالغہ در کلام مطلقاً مردود است از جہت آں کہ کذب است وآں عقلاً مذموم وگفتہ اند "خیر الکلام ما اخرج مخرج الحق والصدق" ومؤید ایں آیات واحادیث نیز آوردہ اند یکے از آں ایں ست کہ حق تعالیٰ می فرماید "انما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون بالآخرۃ" ونیز فرمودہ "فاجتنبوا الرجس

من الاوثان واجتنبوا قول الزور " منع فرمود باری تعالیٰ جل شانہ از عبادت اصنام وکذب ، و از حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ مروی است کہ فرمودہ اند کہ " لعن اللہ الکاذب یعنی لعنت کرد خدا بر کاذب ۔ ومعنی مبالغہ در کلام آن است کہ کسے وصف نماید چیزے را بروجہے کہ بر حسب شدت و ضعف بحد استحالہ یا استبعاد رسد ۔ ومبالغہ را منحصر در سہ چیز دانستہ اند تبلیغ و اغراق و غلو ، اما تبلیغ آن ست کہ کسے وصف کند چیزے را بہ طریقے کہ عقلاً وعادۃً ممکن باشد مثلاً گوید ۔

زدوریٔ توچناں زار وناتواں گشتم ۔ کہ ہر کہ دید گماں می برد کہ بیمارم

زیرا کہ از روے عقل وعادت ممکن است کہ کسے از دوریٔ دوست بہ مرتبۂ ضعیف و بے قوت شود کہ ہر کس اورا بیند تصور کند کہ مریض است ۔ اما اغراق آن است کہ کسے وصف کند چیزے را بر نہجے کہ ممکن باشد عقلاً لا عادۃً ، مثلاً در تعریف محاربہ گوید :-

کمندہا ہمہ گردید جفت حبل ورید ۔ خدنگہا ہمہ شریان پردلاں بوسید

جفت شدن ہمہ کمندہا بہ حبل ورید ورسیدن ہمہ خدنگہا بہ شریان پردلان اگرچہ از روے عقل ممکن است اما از روے عادت ممتنع است ۔ اما غلو آن است کہ کسے وصف نماید چیزے را بروشے کہ عقلاً وعادۃً ممتنع باشد مثلاً گوید

نہ کرسی فلک نہد اندیشہ زیر پاے ۔ تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلاں نہد

و برخے را عقیدہ آں کہ تبلیغ و اغراق جائز است و قبیح نیست ۔ لیکن ایں جماعۃ در غلو شرط کردہ اند وگفتہ اند ہر غلوے کہ در آن نوعے از تخیل حسن نہ باشد ویا نازل منزل ہزل نبود یا لفظے در ونہ باشد کہ نزدیک بہ صحت گرداند ۔ معنی برا مردود است ۔ مثالش این است :-

ز سہم ستوران دران پہن دشت
زمین شش شد و آسمان گشت ہشت

و این عقلاً و عادۃً ممتنع است و از باب ہزل ہم نیست و قابل تعبیر و توجیہ ہم نہ۔ و قدامہ گفتہ است، اوصافے کہ بدان مدح کنند چہار است۔ اول عقل، علم و حیا و بیان و سیاست و کفایت و رزانت رائے و امثال آں در عقل داخل اند۔ دوم شجاعت، حمایت و دفع و کینہ خواستن و قہر بر دشمنان کون و غلبہ بر ہمسران و امثال آں در شجاعت داخل اند، سوم عفت، قناعت و قلت و مانند آں در عفت داخل اند۔ چہارم عدالت، سماحت و اجابت سائلان و ضیافت و مانند آں در عدالت داخل اند۔ و ہر چند در مدح مبالغہ بیش تر نماید پسندیدہ تر بود و ازیں جا گفتہ اند" احسن الشعر اکذبہ" مگر وقتے کہ ممدوح را زیادت مرتبتے نبود، چہ دراں صورت اگر در مدح او مبالغہ رود بر سفاہت حمل افتد و آں مدح عین ذم گردد۔ بہ میان مدح و شکر فرق است، چہ مدح وصف است بہ جلال۔ و شکر صفت کردن است بہ فعال و حمد و ثنا بر زبان است بہ قصد تعظیم کہ در مقابل نعمت باشد یا غیر آں و شکر فعلے است کہ خبر دہندہ باشد از تعظیم منعم از جہت منعم بودن خواہ بہ زبان باشد خواہ بہ دل خواہ بارکان۔ و ہجو ضد مدح است پس چنداں کہ رذائل کہ اضداد فضائل اند در شعر بیش تر بیارند، ہجو قوی تر باشد۔

بداں کہ طبع سلیم و ذہن مستقیم کہ در اصل خلقت موزوں باشد شعر را بدون دانستن عروض، قافیہ تواند گفت و ممکن نیست کہ بدوزن بحر تلفظ کند۔ بنا بریں دریں عہد علم عروض و قافیہ متروک شد۔ اگرچہ گفتن شعر براں موقوف نیست لیکن دانستن آں برائے شاعر ضرور است، زیرا کہ تا عالم بہ قواعد آں نہ باشد

یمکن کہ در بعضے امور خطا کند۔ و نکات مرموزہ۔ محسنات شعریہ و امورے کہ در شعر احتراز ازاں لازم است ازاں غفلت ورزد۔ بدیں سبب نقصان بہ شعر او عاید گردد۔ و دیگراں کہ از اصطلاحاتِ آن فن اگر واقف نہ شود در کلام قدما امورے کہ مرموز بود آں را نہ فہمد۔ چہ اطلاع بر اصطلاحات ایں قوم بدون مطالعہ کتب عروض و قافیہ دست نہ دہد۔ بہ ہر تقدیر عالم بودن بہتر است۔ و ایں فن بسطے زیاد دارد۔ و ایں ہیچ مداں آں قدر یارا نیست کہ تواند از عہدہ شرح و بسط آں برآید و دماغے ہم نہ دارد کہ صرف آں نماید۔ بالجملہ کلمۂ چند مختصر از ہر باب کہ دانستنِ آں البتہ شاعر را ضرور باشد۔ دریں اوراق بہ قید تحریر می آرد۔ امید کہ منظور نظر نکتہ سنجان گردد۔

بداں کہ عروض میزانِ کلامِ منظوم است۔ چناں کہ نحو میزان کلام منثور است۔ و ایں علم را بہ جہت آں عروض خوانند کہ معروض علیہ شعر است۔ یعنی شعر را براں عرض کنند تا موزوں از غیر آں ظاہر گردد و مستقیم از نا مستقیم ممتاز شود۔ و بنائے اوزان عروض چوں بنائے اوزان لغت عرب بر فا و عین و لام نہادند تا تعریف متحرکات و سواکن آں بہ آسانی دست دہد و چناں کہ در لغت عرب گویند ضَرَبَ بر وزن فَعَلَ و یَضْرِبُ بر وزن یَفْعِلُ وَضَارِبٌ بر وزن فَاعِلٌ و مَضْرُوبٌ بر وزن مَفْعُولٌ در علم عروض گویند نگارینا بر وزن مَفَاعِیْلُنْ و نازنینا بر وزن فَاعِلَاتُنْ و دل دارِ من بر وزن مُسْتَفْعِلُنْ۔ و نون تنوین در افاعیل عروضی بنویسند تا مکتوب و ملفوظ اوزان در حروف یکساں باشد۔ و اقل شعر مقدارے بود از کلامِ منظوم کہ شاعر چوں ازاں فارغ شود براں وقف کند و دیگر مثل آں اعادہ کند و حرفِ آخریں را بجنس در ہر بیت مکرر گرداند و بیت در اصل لغت عرب خانہ باشد۔ و اشتقاق بیت از تبویۃ است یعنی شب گزاشتن و خانہ را

از برائے ایں بیت خوانند کہ جائے شب گزاشتن است، چہ مردم غالباً ملازمت خانہ بیش ازاں بر شب کنند کہ بہ روز۔ و ہر بیت را دو نیمہ درست باشد کہ در متحرکات و سواکن بیک دیگر نزدیک باشد و ہر نیمہ را مصراع گویند، و در لغت عرب احد مصراعے الباب یک پارہ باشد از در دو لختے کہ ہر کرا خواہد فراز تواں کرد بے دیگرے و چوں ہر دو را فراز کنند یک در باشد۔ از بیت شعر بر ہر کدام مصراع کہ خواہد انشاد تواں کرد، بے دیگرے، و چوں ہر دو بہم پیوند د یک بیت باشد، و نیز جہت تشبیہ بیت بہ خانہ آں است کہ چناں چہ خانہ ممتاز بہ حدود شود از خانہ ہائے دیگر، بیت شعر نیز بہ عروض و قافیہ و وزن ممتاز باشد از بیت دیگر و سجع آخر بیت را قافیہ نام کردند و سکون حرف آخر آں را لازم دانستہ اند تا کلام منظوم از منثور ممتاز باشد۔

و بباید دانست کہ عروضیان جزو اول را از مصراع اوّل صدر خوانند و جزو آخر ایں مصراع را عروض خوانند و جزو اول مصراع ثانی را ابتدا و جزو آخر آں را ضرب گویند۔ و بابیں صدر، عروض، ابتدا و ضرب انچہ باشد، آں را حشو بیت خوانند۔ و مراد از صدر و ابتدا آغاز مصراع است و جزو آخریں مصراع اوّل را از بہر آں عروض گویند کہ قوام بیت بہ دوست۔ و عروض چوبے باشد کہ خیمہ بداں قائم تواند بود۔ پس ایں جزو نیز در بیت ہم آں حکم دارد یعنی چناں کہ خیمہ بہ ستون قائم است شعر بدیں جزو قائم است۔ چوں مصراع اوّل تمام شود معلوم شود ایں شعر چہ وزن دارد و از کدام بحر است و جزو آخر مصراع ثانی را از بہر آں ضرب گویند کہ ضرب در کلام عرب نوع و مثل باشد و آخر ابیات امثال یک دیگر باشد و بدیں جزو معلوم شود کہ قافیہ از کدام نوع است از انواع قوافی، و ہم گفتہ اند کہ ایں جزو را ضرب بہ جہت آں نامند کہ تمام بیت

بدوست چناں چہ گویند ضرب الخیمہ و ضرب الخباء بہ فارسی گویند خیمہ زد و خرگاہ زد۔ جز بہ ضرب منفعت خیمہ و خرگاہ حاصل نمی شود ہم چنیں سبے جز آخریں کلام منظوم را شعر نمی خوانند۔ و وجوہ دیگر ہم گفتہ اند کہ ذکر آں مناسب ایں مختصر نیست۔ و اجناس شعر را بحر بہ جہت آں گویند کہ بحر در لغت عرب بہ معنی شگافتن است دریا را نیز بحر بہ جہت آں گویند کہ زمین را شگافتہ است و ایں کہ گویند کہ فلانے بحر است در علم معنی آں باشد کہ توسعے دارد در فنون علوم، چوں دریا محل انواع مکونات متنوعہ است، ہر بحرے از بحور شعر نیز محل اشعار متنوعہ است بدیں جہت تشبیہ کردہ اند۔

و شعر در اصل لغت عرب دانش است و دریافتن معانی بہ فکر صائب و اندیشۂ راست و از روے اصطلاح سخنے است مرتب معنوی اندیشیدہ موزوں متکرر متساوی حروف آخریں آن بہ یک دیگر مانندہ۔ سخن مرتب معنوی گفتیم تا فرق باشد میان شعر و ہذیان و کلام نا مرتب بے معنی۔ و گفتیم موزوں تا فرق باشد میان نظم و کلام مرتب منثور۔ و گفتیم متکرر تا فرق شود میان بیتے تمام و میان یک مصراع۔ و اقل شعر یک بیت باشد و مصراع از شعر بود لیکن شعر نہ بود چناں یکے از دہ باشد لیکن دہ نہ باشد و گفتیم تساوی تا فرق باشد میان شعر و میان مصاریع مختلف کہ ہر یک از بحرے باشد و گفتیم حرف آخریں آں بیک دیگر ماند تا فرق شود در مقفی و غیر مقفی کہ سخن بے قافیہ را شعر نہ گویند۔ اگر چہ موزوں باشد۔ و سبب آں کہ کلام موزوں را شعر خوانند آن است کہ قاسم بن سلام بغدادی کہ یکے از ائمہ نحو و لغت و تاریخ است می گوید کہ یعرب بن قحطان بن عامر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام کہ با سجاع سلیقہ تمام داشت چناں چہ بالا مذکور شد کہ

کہ نخستیں کسے کہ شعر عربی گفتہ او بود بہ حکم آں کہ در اثنائے اسا جیع عرب مصراعات موزوں می افتاد، یعرب بہ قوت فطنت آں را دریافت و میانِ موزوں و ناموزوں فرق کرد۔ حاضراں چوں سخن موزوں از و شنیدند و در تعجب شدند و گفتند ما از تو چنیں سخن نشنیدہ ایم او گفت "ماشعرت بہن نفسی قبل یومی ہذا" من نیز تا ایں وقت ایں جنس سخن از خود نیافتہ ام پس بہ سبب آں کہ او را بے سابقۂ تعلیم و تعلم بہ کلامِ موزوں شعور افتاد آں را شعر خواندند و قائلِ آں را شاعر گفتند و اتفاق است کہ شعر عربی بر شعر فارسی مقدم بودہ است و شعر بیتے بود کہ دو مصراع متساوی دارد۔

و اشتقاقِ قصیدہ از قصد است و آں توجہ در روے نہادن است بہ چیزے و جاے۔ و مقصود را از بہر آں مقصود گویند کہ مردم روے دل بہ طلبِ تحصیلِ آں آوردہ باشند و قصیدہ فعلے باشد بہ معنی مفعول یعنی مقصودِ شاعر است بایراد معانی مختلف و ذکر اوصاف مختلف از مدح و ہجا و غیر آں، و ہاء در آخر قصیدہ وحدت را است چناں چہ لیل شب است و لیلہ یک شب۔ قصیدہ را باید کہ دو مصراع مقفیٰ در مطلع بود والاّ قطعہ خوانند ہر چند از بیست و سی بیت بگزرد۔ و باشد کہ دو مطلع یا زیادہ بود و بیت القصیدہ در اصل آں است کہ شاعر ابتدائے فکرے کند و مضمون آں را در بیتے بیارد ثانیاً بر ہماں وزنِ بیت قصیدہ بگوید۔ لیکن آں چہ متعارف است مابین شعرا آں است کہ بیت القصیدہ بہترینِ ابیات را می گویند و چوں ابیات مکرر شود از پانزدہ و شانزدہ بگزرد و بیست رسد آں را قصیدہ خوانند و قافیہ کلمۂ آخرین بیت باشد بشرطے کہ بعینہا و معناہا در آخر ابیات دیگر متکرر نہ شود اگر متکرر شود آں را ردیف خوانند۔ و قافیہ در ماقبل آں باشد چناں چہ:۔

رخِ تو رونقِ قمر بشکست   لبِ تو قیمتِ شکر بشکست

چوں کلمہ "بشکست" دریں شعر مکرر شدہ آں را ردیف گویند و قافیہ قمر و شکر است و قس علیٰ ہذا۔ و قافیہ را از بہر آں قافیہ خوانند کہ پس اجزائے شعر در آید و بیت بدو تمام شود۔ و اصل آں از از قفوت فلاناً است یعنی از پس فلاں رفتم و قفیت فلاناً۔ یعنی کس را پس فلانے رواں ساختم۔ و ایں کلمہ ہم پس رو آخر بیت است و بیت را مقفی خوانند یعنی آں را قافیہ پدید کردہ۔ بداں کہ در قافیہ گفتگو بسیار است کہ در کتب ایں فن مرقوم است۔ پارۂ از ہر باب کہ ضروری شاعر است مذکور می شود واللہ اعلم بدقائق الحقائق و حقائق الدقائق۔ نزد بعضے قافیۂ سر و قلم و قدم جائز است۔ جہت واحد بودن حرف آخر و مساوی بودن حرکت ماقبلش پس فاضل و کامل و حاصل و مائل و عاشق و صادق درست است و اگر حرکت ماقبل مخالف باشد مثل زود و دید و داد جائز نہ باشد۔ و کلمات مختلف اللفظ والمعنی معاً جائز است چوں یار و کار و داد و شاد و مختلف اللفظ فقط ہم جائز بود چوں زبان و لسان و جان و رواں۔

بداں کہ حرف روی واجب التکرار است و قافیہ بے حرف روی متحقق نہ تواند شد۔ و تواند بود کہ در قافیہ بغیر از حرف روی ہیچ حرفے از حروف قافیہ نہ باشد مثل شکن و سخن۔ و چوں مدار قافیہ بر حرف روی است شعر را باں منسوب می کنند چناں چہ می گویند قصیدہ لامیہ و میمیہ و امثال ہا۔ و کلمہ زریں و پاریں صلاحیت روی بودن نہ دارد لیکن چوں با ہ پیوندد زرینہ و پارینہ شود صلاحیت روی بودن دارد و ازیں قسم است نون کلمہ خنداں و گریاں کہ صلاحیت روی بودن نہ دارد لیکن چوں حرف دال با و ملحق گردد و بہ خنداند و بگریاند شود روی بودن را شاید و در تعریف روی گفتگو بسیار است کہ ایں جا

ذکر آں لائق نیست ۔

پوشیدہ نماند کہ ردف در لغت از پی در آمدن است و حرف ردف اگر چہ در تلفظ مقدم است بر روی اما در ملاحظہ متاخر است از و ، زیرا کہ در قافیہ اوّلاً نظر بر روی است و بعدہٗ بر ردف و باقی حروف فلہٰذا سمی ہذا لحرف بالردف ۔ اما بحسب اصطلاح در تعریف او اختلاف است ۔ و حرف ردف واجب التکرار است بعینہ با حرکت ماقبل و اختلاف آں جائز نیست ۔ شیخ سعدی قافیہ بحر و شہر کردہ آں پیش قدما جائز است جہت قرب مخرج انہا چناں چہ گفتہ :۔

چہ مصر و چہ شام و چہ برو چہ بحر ہمہ روستالیست و شیراز شہر

لیکن از قبح خالی نیست ۔ و فردوسی نہی و وحی گفتہ ۔ دوہفتہ و نہفتہ ہم جائز است ۔ مولوی جامی گفتہ :۔

دو ہفتہ شد کہ ندیدم مہ دو ہفتۂ خود را کجا روم بہ کہ گویم غم نہفتۂ خود را

بعضے طاقچہ و باغچہ ہم گفتہ اند و آں پُر قبیح است و جمع یائے معروف با مجہول در قافیہ نیز پسندیدہ نیست و تغایر لغت در قوافی منع نیست و صحبت و دولت ہم گفتہ اند ۔ حضرے و سفرے و شترے در قافیہ جمع می تواں کرد بر خلاف حضر و سفر و شتر ہم چنیں چاکرم و حاضرم جمع می تواں کرد بخلاف چاکر و حاضر و دلیل ایں بیاں کردن دریں محل مناسب نیست و شیخ سعدی علیہ الرحمہ گفتہ :۔

غلام آبکش باید و خشت زن بود بندہ نازنیں مشت زن

و دیگرے گفتہ :۔

کسے کاں شوخ را ہم خانہ باشد عجب باشد اگر شیدا نہ باشد

و در کتب عروض ایں را جائز داشتہ اند و دلیل براں گفتہ اند ۔ خواجہ حافظ گفتہ :۔

صلاح کار کجا و من خراب کجا   ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

و صاحب گلشن راز گفتہ :-

ہمہ دانند کیں کس در ہمہ عمر   نکردہ ہیچ قصد گفتن شعر

و ایں خالی از قبح نیست۔ و تو را با سو قافیہ نہ تواں کرد زیرا کہ در فارسی واو تو مستلفظ نہ می شود مگر در بعضے اوقات و تواند بود کہ تمام مصراع سوائے کلمہ اول ردیف باشد چناں چہ دریں شعر است ؎

جم است آں کہ بکف جام لالہ گوں دارد   کم است آں کہ بکف جام لالہ گوں دارد

سوائے کلمہ جم و کم تمام مصراع ردیف است ۔

نظر گاہے بسوئے دردمندے می تواں کردن

گزر گاہے بسوئے دردمندے می تواں کردن

و طور بضم طاء و طور بفتح طاء در یک شعر جمع کردن جائز نیست و بغایت قبیح است و ایں قسم قافیہ را اقوا گویند چناں چہ ظہیر فاریابی زمرو را با تبرزد قافیہ نمودہ ۔ دوم اکفا کہ دو قافیہ در مخرج قرب داشتہ باشد چوں احتیاط و اشتماد چناں چہ شرازی گفتہ :-

یک کاسہ ہریسہ ہر صباحی   بہتر ز ہزار پادشاہی

و ازیں قبیل است جمع کردن میان حرفے کہ مخصوص بلغت عجم اند چوں رگ و سگ بانگ و حک و چپ باطرب و سراچہ با خواجہ و گرگ با ترک و اکفا را ہم از عیوب است ، سوم سناد مانند زمیں و زماں را یک جا جمع کردن و دود و داد را باہم آوردن در یک شعر عیب بزرگ است و نزد شعرائے عجم اصلا جائز نیست ۔ چہارم الطار مثل جمع کردن موجودات با ممکنات و کہسار با خاکسار و باغبان با پاسبان و خوباں با عاشقاں ، و زیرا کہ در صورت

جمع قافیه می تواند شد وآں جائز نیست که اصل آنها بدون الف ونون جمع قافیه نیست وایطا ہم از عیوب است ویاران ودوستان ولالہ ہا وغنچہ ہا وگفتن وشنیدن وعاشقند وبے ولند از مقولۂ ایطائے جلی شمردہ اند۔ وازیں قبیل است قلم دان ونمک دان وباغبان ودربان وگلستان وخارستان ولعبتے واندکے وخلاصی وصفائی ودلبراں ومہوشان وروشن دلے وقلقلے ودستے ودردے وسمرقندی وبخاری وآمدی ورفتی وموکدہ وبتکدہ وبیامرزاد وعمرزاد و زریں وسیمیں وچاریں وہم چنیں ودوشیں ویاریں وغمگیں واندوہگیں۔ وایں ایطائے جلی را در عرف شعرا شائگاں گویند واز معائب قافیہ است امّا ایطائے خفی مثلاً گلاب وآب ودانا وبینا پیش اکثر شعرا جائز است۔ پنجم صراف مثل پدرش وپرورش که یک جا فتحہ ویک جا کسرہ است چناں چہ ضمیری مطلق وعاشق را قافیہ نمودہ ایں ہم از عیوب قافیہ است۔ ششم لحن وآں آن است که در قافیہ چیزے بیارند که در نثر نتواں آورد یعنی حرکتے یا سکونے دہند وتصرفے کنند۔ ہفتم لغو وآں عبارت است از آوردن قافیہ که آن را فائدہ نہ باشد الا آں که بیت را مقفیٰ سازد وایں ہفت قسم را جمیع شعرا از عیوب قوافی نامیدہ اند واللہ اعلم بالصواب۔

ودر قوافی چنیں قافیہ ہا معیوب است اگرچہ استاداں گفتہ اند۔

ہر وزیرے ومفتی وشاعر که او طوسی بود　　چوں نظام الملک وغزالی وفردوسی بود

طوسی وفردوسی در قافیہ خوب نیست

از غصہ ہجراں تو دل پُردارم　　پیوستہ ازاں دیدہ بخوں تردارم

پُردارم وتردارم یک جا ضمہ ویک جا فتحہ خوب نمی شود ولو سلیک گفتہ

دریں زمانہ بتے نیست از تو نیکوتر

و قافیہ در مصراع ثانی مشفق تر آوردہ تکرار در قافیہ کردہ و این عیب بزرگ است در یک بیت - و دقیقی گفتہ :-

چگونہ بلائی کہ پیوند تو | بو جہے بداست و بوجہے بتر
شبے روز کردم چگونہ شب | لبے از شب داج تاریک تر

و ہم او در جاے دیگر ستم گر و فسوں گر بستہ و در جاے دیگر بلاگستر و سخن گستر بستہ. روزہ داران و تاج داران ہم بو طاہر خاتونی بستہ و اینہا مذموم است - واکثرے از شعرا آب و گلاب ، و سازگار و کامگار و شاخسار و کوہسار ، و آبدار و پائدار را معیوب شمردہ اند و جمع جائز دارند - و انوری ، مشتری و ساحری در قصیدہ گفتہ :-

ای مسلمانان فغاں از دور چرخ چنبری | وز نفاق تیر و قصد ماہ و سیر مشتری
من نمی دانم کہ ایں نوع سخن را نام چیست | نہ نبوت می توانم گفتنش نہ ساحری

و انوری ستور و تنور ہم گفتہ :-

ہر کہ تو اند کہ فرشتہ شود | خیرہ چرا باشد دیو و ستور
چیست جہان نغز تنور اثیر | خود چہ تفرج بود اندر تنور

دیگرے سیب و قریب گفتہ - ازیں قسم قوانی احتراز اولی است و گفتہ اند کہ نصل و نسل ، و فضل و عزل ، و زلف و عرف و ابرو خمر را جائز است جہت قرب مخارج اینہا باہم - چناں چہ فردوسی گفتہ :-

چہ گفت آں خداوند تنزیل و وحی | خداوند امر و خداوند نہی

حتی المقدور نباید گفت - اماں قافیہ شائگاں کہ از عیوب قافیہ شمردہ اند در اصل شاہ گان بودہ است یعنی کارے کہ بہ حکم شاہ کنند و شائگاں آن را گویند کہ الف و نون جمع در آں مستعمل باشد - چناں چہ ازرقی گفتہ :-

آں ہمام دولت عالی جمال دین حق　　　آں فخار جمع شاہاں مفخر سلجوقیاں

وشائگاں آن است کہ ازآں جنس بسیار تواں آورد یعنی مانند گنج شائگاں است ازآں بسیار تواں برداشت وآں چند قسم است تفصیلش طول دارد مناسب ایں مقام نیست - وقدما تکرار قافیہ در قصیدہ جائز نداشتہ اند مگر قافیہ مصراع اول مطلع بشرطے کہ در مصراع دوم آن نہ باشد و در ابیات دیگر بود۔ لیکن متاخران تکرار قوانی جائز داشتہ و در جمیع دیوان ہا ہم ہست - ولے ایں قدر رعایت باید کرد کہ متصل ہم نیفتد بعد از سہ چہار بیت بود و مضمون آں مکرر بستہ نشود کہ یک قافیہ و یک مضمون مکرر لطف ندارد۔

وغزل در اصل لغت حدیث زناں و وصف عشق بازی است با زناں گویند رجلٌ غَزِلٌ یعنی مرد عشق باز و سماع دوستہ داں چہ مشتمل باشد بر وصف زلف و خال و شرح وصل وہجراں آں را غزل گویند۔ ونسیب غزلے باشد کہ علی الرسم آں را مقدمہ مقصود خود سازد تا بہ سبب استماع احوال محب و محبوب طبع ممدوح بہ شنیدن آن رغبت نماید۔ وتشبیب غزلے باشد کہ برحسب حال شاعر بود چناں چہ اشعار شعرائے عرب مثل قیس و امثال او مشتمل است بر بیان واقع کہ ہر یک عاشق زنے بودہ - ونسیب در اصل لغت صفت جمال محبوب و شرح احوال عشق و محبت است یقال نَسَبَ یَنْسِبُ نَسْبًا از باب ضَرَبَ یَضْرِبُ یعنی غزل گفت واحوال عاشق و معشوق شرح داد - وبعضے اہل معنی فرق کردہ اند۔ میان نسیب و غزل گفتہ اند معنی نسیب ذکر شاعر است خلق وخلق معشوق ، وغزل دوستی زناں ومیل دل بدیشاں ، وبیشتر شعرا ذکر جمال معشوق وصفت احوال عشق را غزل گویند۔ وآں چہ در مدح شرح حال دیگر باشد آں را نسیب نامند۔

و رباعی که بنای آن بر دو بیت است و بیت اولین آن دو مصراع مقفی باید و الا قطعه شود و مخمس آن است که چهار مصراع به طریق مطلع بر یک وزن گفته شود و مصراع پنجم آن نیز بر همان قافیه و وزن باشد لیکن دو طریق است گاه مصراع پنجم بعینه در همه بندها می آرند و گاه مصراع مختلف در بندها می آرند لیکن قافیه بر یک وزن می باشد موافق بند اول و مربع ترکیب را چهار مصراع بدستور مخمس در یک وزن می باشد و بجای بند که در مخمس است یک بیت می آرند به قوافی مختلف ـ و ترکیب بند چند غزل می باشد با همه در وزن موافق و در قوافی مختلف ، و بندها نیز در قافیه مختلف ، و اگر بر یک قافیه هم باشد جائز است ، و اگر بیت بند بعینه یکی باشد ترجیع بندگویند و تسمیط آن است که بنای ابیات بر پنج مصراع متفق القوافی گذارد و مصراع ششم را قافیه مخالف قافیه اول آرد که بنای شعر بران باشد و باشد که عدد مصاریع بیفزاید و بر هشت مصراع و چهار مصراع می باشد و مزدوج را مثنوی نامند و هر بیت آن دو مصراع بود بر یک وزن ، و در قوافی ابیات مختلف.

و در جمیع اقسام شعر نظم باید بدیع بود و قوافی درست و معانی لطیفه و الفاظ عذب و عبارت صاف یعنی در فهمیدن مشکل نه شود و عبارات تکلف نه باشد و از حروف زائد پاک بود و کلماتش صحیح ، و شاعر باید که طور و ترکیب نظم بشناسد در قوانین تشبیهات و فنون استعارات و محاورات و باخبر از تاریخ و نظم قدما باشد و کلام حکما را تتبع کرده باشد و بطبع سلیم جزایل الفاظ را از رکیک بشناسد و از تشبیهات کاذب و اشارات مجهول و ایهامات ناخوش و اوصاف غریب و استعارات بعید و محاورات نادرست و تکلفات نامطبوع محترز باشد ، و از مالا بد نکاهد و در مالا یعنی نیفزاید و

و ترکیب نظم استادان خوب غور بکند تا واقف راه و رسم گردد و از مصطلحات باخبر باشد و بر دقائق آں اطلاع یابد تا اورا ملکه پدید آید۔

و در قوافی اولیٰ آں باشد که تعین آں بر معنی مقدم دارد پس معنی را باں الحاق کند تا متمکن آید، و در جمیع اشعار ملاحظه کند تا الفاظ رکیک نه باشد والا عوض نماید و اگر معنی قاصر باشد تمام کند۔ و باید که در اسالیب کلام چوں نسیب و تشبیب و مدح و ذم و آفریں و نفریں و شکر و شکایت و قصه و حکایت و سوال و جواب و عتاب و تواضع و تفاخر و تکافر و صفت بہار و انہار و گل و بلبل و عشق و ہجراں از طریق علماے ایں فن عدول نه نماید و خود پسندی را کار نه فرماید۔

و ہم باید دانست که باعتقاد فقیر در اصل مدح مردم مذموم است، معہذا اگر شاعر دراں شروع کند ایں چند امر را رعایت نماید۔ اول آں که مدح در خور ممدوح گوید مثلاً سلاطین را به لفظ خواجه و مہتر و آں چه دون مرتبه ایشاں بود یاد نه کند و امیر را ملک و سلطان نه گوید و علما را به علم و فضل و ورع مدح کند نه به شہامت و شجاعت، به خلاف اہل شمشیر که ایشاں را به تسلط و غلبه و شہامت ستودن اولیٰ است۔ و در مدح مرداں حسن و جمال را یاد نه کند مگر در ضمن کمالات نفسانی مثل آں که گوید حسن صورت و نیکی سیرت ہر دو دارد چه حسن ظاہر بہترین صفات است و دلیل خوبی باطن چناں چه در حدیث وارد شده "اطلبوا الخیر عند حسان الوجوه" ایں جا پیدا ست که قبح منظر دلیل سوے باطن است نعوذ باللہ منہا۔

اگر حنظل خوری از دست خوش خو ‌ ‌ ‌ به از شیرینی از دست ترش رو
زشت رو البته می باشد شریر ‌ ‌ ‌ قول و فعل او نباشد دل پذیر

و در مدح خلفا و ملوک قدما وصف کردن به سخاوت و شجاعت چنداں پسند

نکردند اگرچه متعارف است زیراکه سخاوت ملوک را ناگزیر است، عالمے از ایشاں بہرہ می برد و شجاعت لازم عسکر ایشاں بود۔ پس بہترین مدائح ایشاں عدل است و ورع و کمالات نفسانی و دفع فتنہ وآبادی ممالک از خوف وسیاست ایشاں۔ و بہ ہیچ حال چیزے کہ ممدوح بداں منسوب یا متہم بود بہ تصریح وکنایت ایراد نہ کند۔ در مدح نسواں تعریف حسن وجود و خلق نباید بلکہ عصمت وعفت اولیٰ است و ابتدائے قصیدہ باید بالفاظ مسعود وبہایوں آراستہ باشد۔ و از الفاظ ومنحوسہ مثل نیست و نہ باشد و نہ بود و دربود چہ فال خوش نہ دارند۔ وآں چہ از مدائح اقویٰ بود موخر دارد و مقطع را سعی کند تا نہایت مطبوع و مشتمل بر غرض او باشد و لفظ آں فصیح و معنی بدیع چہ قریب العہد بہ سمع استماع کنندہ آں بیت است۔ لطف آں تا مدتے دریابد و از خاطر نہ رود۔ و از الفاظ مشترکہ در مدح و ذم اجتناب کند و مثل لفظ سور کہ شادی و ماتم ہردو را آمدہ۔

فقیر قریب پنجاہ دیوان از قدما و استاداں بہ مطالعہ در آوردہ احوال ہریک ومراتب کلام ایشاں سنجیدہ۔ ہرکس در فن خود مہارتے دارد۔ قدما در قصیدہ و مدح مہارت دارند، سیما انوری وخاقانی وکمال اصفہانی۔ در غزل و وصف حسن شعر ایشاں رتبۂ نہ دارد وکم تر متوجہ آں شدہ اند۔ انوری در مطلع قصاید ید بیضا دارد۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ مرد عارف وصاحب حال است۔ کلامش مرغوب و تمام از نصائح خالی نیست ملاحت و قبول عجبے دارد و اہلی شیرازی دریں فن استعداد ومہارت تمام دارد۔ تقی بلبانی شاعر زبردست است۔ و قدسی وکلیم وطالب آملی از متاخراں سخن را بہ معراج بردہ اند و کلام ظہوری در ساقی نامہ رتبہ بلند دارد۔ زلالی در مثنوی ممتاز بود ولیکن غنیمت ہندی

پایہ کمی نہ دارد و غنی کشمیری خوش سخن است - کلام عرفی عرفی است "الاسماء تنزل من السماء"
کلام خواجہ حافظ قبول دارد - امیر خسرو شیریں سخن است - صائب در مثل بندی
نظیر نہ دارد - اشرف کلامش شوخی تمام دارد - کلام ہلالی از سوز خالی نیست -
عالی در ہجو و مثنوی طرفہ دست گاہے دارد - نظامی در خمسہ داد سخن دادہ -
جامی ہم در سبحہ پایہ کمی از و نہ دارد ، فردوسی طوسی در طور خود یگانہ است -
صاحب حملہ حیدری عبارت صاف رنگیں دارد ، مولوی جلال الدین رومیؒ
سخنش سراپا عرفان است ، فہمیدن دارد ، لیکن فارسی قدیم است - حکیم سنائی
عارف است و کلامش مقبول - جلال اسیر بسیار نازک خیال است -
معز فطرت صاحب ہنر است - فیضی کلامش بافیض است ، طاہر وحید
دریں فن وحید است - و قاسم گونابادی در شاہ نامہ خود سحر آفرینی کردہ و ناصر علی
در مثنوی خیلے تلاش بکار بردہ - و بیدل از پردلان ایں معرکہ است - جویا مدح
و منقبت ہائے رنگیں دارد - شیدا در خوش گوئی مشہور است - کاتبی ملک الشعرا
است - سلمان ساوجی مہتر ایں قوم است - عظیما رنگین سخن است - مسیح کلام
لطیف دارد - خالص خوش فکر است - آصفی از کیفیتے خالی نیست - شاہ نعمت اللہ
خوش خیال است - حاذق عبارت دل چسپ دارد ، رضی الدین نیشاپوری مہارت
تمام دارد ، دانش از تلاش خالی نیست ، شوکت مضامین خوب دارد -
ابن یمین مرد موحد است و کلام پر سوز دارد - شریف سخن دل فریب دارد -
کلام عنصری بہ طور قدما است - ظہیر فاریابی پر ہنر است - بر کلام رفیع من
والہ ام - فغانی سخن دان است ، وحشی طرز نہایت ملیحے دارد - شعر آشنا را
بہ طور خود آشنا یافتہ ام - بہر تقدیر ہر کدام در کار خود استاد است و علامہ
و سزاوار تحسین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین - طور و طرز ہر یک جدا است ، کسے کہ

مدتہا مطالعہ کتب ہر یک نمودہ باشد، بر و پوشیدہ نہ خواہد بود۔

قدما اگرچہ استادانِ واضع قوانین۔ متاخرین، رنگینی و نزاکت و نازک خیالی را بہ نہایت رسانیدہ اند الحال طور قدما متروک شدہ۔ و دریں عصر شعر تراشے چند بہم رسیدہ اند کہ بہ آں کہ خبرے از شعر و شاعری نہ دارند تختہ بر سر قدما می زنند و قلم بر اشعار متاخراں می کشند

چہ تواں کرد مردماں ایں اند

خلاصۂ سخن این است کہ چوں موزوں و ناموزوں را نہ فہمیدہ اند و از بحر و قافیہ خبرے نہ دارند ایراد بر ہمہ کس می گیرند، گاہے شعرے را ناموزوں قرار می دہند و گاہے قافیہ را نادرست می دانند و جائے بہ سکتہ معترض می شوند و حال آں کہ ہمہ بے جا است چند شعر انوری از ائمہ این فن است و از استادان مرقوم دریں خطبہ می شود۔ بہ جہت این است کہ چنیں بحور و اوزاں را دریں وقت نباید گفت تا کہ ایں قسم نافہماں در ہر محفل ہدف تیر ملامت می کنند و حال آں کہ ایں ہا ہمہ شعر استادان است، موافق علم عروض بہ تقطیع درست، اگرچہ لطفے نہ دارد لیکن ناموزوں نیست، چناں چہ نافہماں تصور می کنند۔ ازیں جہت احتراز ازیں اوزان اولیٰ است کہ با ابلہان مشت و درشت نباید شد۔ انوری دریں زمین ہا قصائد غرا دارد۔

انوری

بر در کس عنکبوت جور ہرگز — کے تند تا ہست عدل یار غارت

تا ملک جہان را مدار باشد — فرمان دہ آن شہریار باشد

خون در جگر بردلان بجوشد — گر رستم و اسفندیار باشد
چون کوکب جاه تو بجنبد — مریخ درو یک سوار باشد

بی سابقهٔ وحی جبرئیل — اسرار وجود شد همه یقین

ای تیغ تو ملک عجم گرفته — انصاف تو جای ستم گرفته
در نام خدا و رسول نامت — ترکیب حروف و رقم گرفته

ای برده ز شاهان سبق شاهی — با تو همه در راه هوا خواهی
هم فتح ترا بر عدو افزونی — هم وهم ترا از عدم آگاهی

اجرام ز رشک پایهٔ قدرت — پوشیده لباس های سیمابی
ز آسیب تو از فلک فرو ریزند — انجم چو کبوتران اسطرلابی

ای رفته بفرخی و فیروزی — باز آمده در زمان بهروزی

ای بندهٔ روی تو خداوندان — دیوانهٔ کوی تو خردمندان

سوگند مخور که من ترا دانم — امشب سر ناز در بر داری

در همه نام هات نامستی — در همه کار هات کارستی

تا توانی حذر کن از منت کان منت خلق کاهش جانت

پیراهن منت تو دوران را تا حشر فرو گرفت پیراهن

تبیح ترا ازیں ہم گفتہ اند و طور قد ما ہمین است
تا کے گریی ز عشق و تا کے نالی سود نه دارد گریستن چه سگالی

شکرک ازاں دو لبک نو به چینم اگر تو یله کنی

تا کے مارا در غم داری تا کے بر ما آری خواری

چرا عجب نه دارم از نگارمی که بے گنه بردن نه شد از کنارمی

چه کنم صنما چو دلم ستدی به کشم ز تو هر چه کنی ز بدی

به کارے چرا کوشی کزاں کار مر ترا همی عاقبت خواهد رسیدن پشیمانی

بدیں عاشقی هر کو دهد پند مرا همی گوز بر گنبد فشاند ز ابلهی

نگارے کجا همتا به خوبی ندانمش چه گوئی کرا باشد به عشقش صبوری

غالیہ زلفے وسمن عارضے　　سرو بالائے وزنجیر موے

زندگانی تلخ کردی مرا　　زندگانی بے تو ناید بکار

بر فردوس رضوان گرنه رخسارت دلیل استی　　مردم را سوے نادیده ویدن کے سبیل استی

از آدمیان ہسم چو پری　　چون برگذری دل می بری

عاشق شده ام بردلبرے عیارے　　شکر لبے سیمیں برے خوں خوارے
مستفعلن مستفعلن مفعولن　　مستفعلن مستفعلن مفعولن

برمن خسته جان من مکن ستم　　کایں دلم ازپے تو شد چنیں بغم
مفتعلن مفاعلن مفاعلن　　مفتعلن مفاعلن مفاعلن

غالیه زلفی و برخ　　سرخ تر از گل تاری
مفتعلن مفتعلن　　مفتعلن مفعولن

عاشق شدم بران بت ناسازگار　　صبرم دباد درغم او کردگار
مفعول فاعلات مفاعیل فاع　　مفعول فاعلات مفاعیل فاع

مراغم تو ای دوست از خانمان برآورد　　مرا فراقت ای ماه از ال و جان برآورد

سیه چشم و سیه زلف غلامے　　　نه کرد و دلم را به سلامے

دلم بتو هست شاد　　　ترا ز من نیست یاد

چرا باز نیائی　　　عذابم چه نمائی

سرو است برو ماه منقش　　　ماه است برو مشک معقد

من بے تو چشیلی زار　　　تو از دور همی خند

بیا جانا کجائی　　　چرا زهی ما نیائی

همیشه شادمان باش　　　بکام دوستان باش

تو جاودان جوان باش　　　عدوّست خاکسارا

ترکان نغز نیکو دیدار　　　چابک سوار شیرین کار

وموجب ناخوشی این اوزان اختلاف نظم اجزا ست و عدم تناسب ارکان ۔ وگرنه موافق عروض صحیح است کج طبعان کے نظم از نثر شناسند که از وزن و بحر و قافیه خبر نه دارند۔ معهذا از غایت جهل است که خود را شعر فهم و

نکته سنج دانند" اولئک کالانعام بل هم اضل"۔ ومعلوم باد کہ بحور عرب برخلاف اشعار فارسی است و دراکثر آن بحور شعر فارسی نتوان گفت، واگر بہ تکلف گفتہ شود نامطبوع بود۔ واز محسنات لفظی ومعنوی اکثر در شعر فارسی یافت می شود چناں چہ مذکور می گردد۔

بداں ارشدک اللہ تعالیٰ فی الدارین کہ کمال شاعر موقوف بر صنائع شعریہ است کلمہ چند دریں محل مرقوم می گردد۔ زیراکہ ہر کس فی الجملہ طبع موزونے داشتہ باشد و شعر سہلے تواند گفت خود را شاعر علامہ می داند وحال آن کہ چنیں نیست" نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند" بلکہ استعداد در صنائع ظاہر می شود۔ وصنائع شعریہ بسیار است۔ انچہ عمدہ ومشکل تر است مذکور می شود۔ وفقیر در ہر صنعت مثالے از خود می آرد۔ امید کہ منظور نظر نکتہ سنجاں سخن در گردد۔ وبہ اللہ التوفیق۔ اوّل از صنائع شعریہ صنعت تبیین است کہ آن را تفسیر نیز گویند وآں چنان است کہ شاعر لفظے چند ہم بر شمارد کہ ہر یک محتاج تبیین وتفصیل باشد ودر بیت یا مصراع دیگر آن را بہ ترتیب مذکور بیین گرداند۔ مثالش این است۔

عمر وجاہ وعیش وجیش ونصرت واقبال وبخت
دائما باشد بہ کاست ای وحید روزگار
عمر زائد جاہ وافر عیش دائم جیش بیش
نصرتت پیوستہ اقبالت بلند وبخت یار۔

دوم لزوم مالا یلزم وآن چنان است کہ چیزے را در شعر لازم گیرد کہ ضرور نہ باشد۔ چناں چہ "مو" را دریں غزل لازم گرفتہ شد۔

غزل

موے زلفت بہ جہان سلسلۂ دام بلا است ہر سر موے تو اسباب پریشانیہا است

بستۂ موئے دل آویز تو شہر ختن است | ہم چو موئے تو کجا گیسوئے خوبانِ خطاست
کم ترا ز موئے من آں ہیچ کمر را دیدم | گرہ موئے میانِ تو نہ دانم کہ کجاست
جانِ من خستۂ موئے سر زلفِ تو بود | در غمِ موئے تو ہر لحظہ دلم در سوداست
مثل مو در نظرت روسیہ و بے قدرم | اعتبارم سر موئے نہ بود گو کہ چراست
ہم چو مو شد تنم از ہجر تو ای آفت ہوش | قدر موئے نہ بود پیش تو ما را پیداست
در غمِ موئے تو چون شانہ دلم شد صد چاک | موئے تو بہرِ دلِ عاشقِ بے چارہ بلاست
از خیالِ خمِ زلفِ تو چو مو می کاہم | مو شگافم من و این فکرِ رسا از سوداست
ہر سرِ موئے تو در دل خلدم چوں پیکاں | یک سرِ مو بہ منت رحم نہ باشد چہ بلاست
من مضامین ہمہ پیچیدہ ترا ز مو دارم | مو شگافی کند آں را کہ چو من طبع رساست
ہم چو مو روئے سیہ می شود ش در محشر | ہر کرا بغض سر مو بدل از آلِ عباست

فائز آں موئے میاں بستہ کمر بر قتلم
من کہ چوں موئے ضعیفم دگر ایں ظلم چراست

سوم صنعت حذف است یعنی التزام کردن کہ بعضے حروف در شعر نہ باشد و از ہمہ مشکل تر حذفِ الف است ۔ مثالش این است ؎

معدنِ عدل و بحرِ بخشش و جود | مخزنِ حلم و درجِ فضل و ہنر
حکمِ تو ہر طرف زمین بگرفت | ہر و مہ بر درِ تو بستہ کمر
قدرِ ہر کس بہ پیش تو دیدم | بہ منت نیست ہیچ لطف و نظر
قصۂ خود کنم چو من تحریر | می شود و ہر جملہ پُر دفتر

چہارم صنعت تفصیل است و آں چناں است کہ شعر خالی از حروف شفوی بود کہ در وقت خواندن آں لب بلب نہ رسد ۔ مثالش این است

ای آں کہ نیست ہیچ کست در جہاں نظیر | در دہر ہیچ گل ز رخت نیست سرخ تر

ثانیت کس نہ دیدہ دریں عصر دیاں   دل دار، گل عذار، جہاں گرد، کج نظر
پنجم صنعت توصیل است وآن چنان است کہ شعر مرکب از حروف شفوی بود واین باعتقاد فقیر ممتنع است۔ زیرا کہ حروف شفوی منحصر است در با و فا ومیم و واو وشعر مرکب بہ چہار حرف نمی تواند شد۔ ومثالے کہ از استادان دریں صنعت دیدہ شد، مرکب از حروف شفوی نہ بود پس اگر تعریف چنیں کردہ شود اولی است کہ صنعت توصیل عبارت از آن است کہ زبان در وقت خواندن آن حرکت نہ کند وحروف شفوی ابتدائے ہر کلمہ باشد۔ واکثرے باشد۔ مثالش این است ؎

مہ ما بہ ماے بہ بینا بدہ   بہ بینا بہ ماے مہ ما بدہ
مہ ما بہ با بادہ باید بدہ   بدہ بادہ اے مہ بہ ما بادہ دہ

ششم صنعت مقطع وان چنان است کہ جمیع حروف شعر از ہم جدا نوشتہ شود مثالش این است

از درد داغ دارم، زردم ز داغ داری
زاری ز درد دارم، دارم ز درد زاری

ز رخ زرد را داغ آذر زدم   زدم داغ آذر رخ زرد را

نازم از درد وزردم از دوری   زرد و زارم ز دوری آں رو

زردم از دوری و دارم زاری   زارم از دوری و زردم از درد

وزدے از زرد ورم را دزدد ۔ وزد دوانہ دزد هدم وزد درم

ایضاً مقطع مجرد

در دردِ دل آرام دل ۔ آرام دل در دردِ دل

مقطع موصل

داری دواے در دم درآں رُخ دوادہ

بے تو خوشی ندیدیم بابا تو گرد مشی با بہ

ہفتم صنعت موصل است و آن چنان است کہ حروف شعر مرکب از دو حرف یا سہ حرف یا زیادہ بود ۔ مثالش این است ۔

موصل بہ دو حرف

ہر کہ گل بوے بریں موضع بدید ۔ شد چو من بے ہوشیِ جانش مزید

محو نلبے بہ من باید کہ باقی ماند پاسے شب ۔ کہ من بدخو کن جانانہ ساقیِ گل فام

موصل معکوس

مئے کوثر بدستِ ساقیِ کوثر ۔ بدستِ ساقیِ کوثر مئے کوثر

معکوس موصل

خدِ تو نو گلِ طوبیٰ خطِ تو جامعِ خوبی ۔ خط تو جامعِ خوبی، خدِ تو نو گلِ طوبیٰ

موصل بہ سہ حرف

تیر ببر، تبر ببر، تیغ ببر، سپر ببر ۔ تیغ بخر، سپر بخر، تیر بخر، تبر بخر

کلۂ شیر ہست مثل حجر ۔ تبر تیز می زنند بسر

چشم کجا، نظر کجا، مہر کجا، قہر کجا — تیغ کجا، سپر کجا، قلب کجا، جگر کجا

ظلم مکن، بتا بمن شہد لبت مفر حسبت — ہیچ سخن نمی کنم غصہ عیش مکن بمن
عیب مکن مثل سخن چنین بمن — تلخ مکن عیش منم مست عشق

صنعت دیگر

در مصراع اول یک حرف مفرد و دو موصل است و در مصراع ثانی یک حرف موصل بہ سہ و دیگر موصل بہ چہار، چناں چہ مثالش این است ؎

ابر اگر این وقت آمد آمدے چوں جان من — مثل غنچہ جمع گشتے سحر مجلس مین چنیں (؟)

ہشتم صنعت منقوطہ است و آن چنان است کہ شعر مرکب از حروف منقوطہ بود مثالش این است ؎

فی الہجو

جز زغنے زشت نہ بینی بفن — زشت فنے نیست بغیظ زغن

غبغب زشت خش بزو قن — بزو قن زشت خش غبغبے

غبغبش چیں بچیں زشیب زنخ — چین بچین غبغبش زپیش ذقن

شب نشین شب نشین شبے بنشین — بنشین شب نشین شبے بنشین

بنشین پیش بز بزشتی زن — زشتی زن ببین زنیش بزے

تیغ زن بینیش بہ چین جبین　　زغضب بینیش جبین چین چین

جنبش چین جبین تیغ ببین　　تیغ زن بین زغضب چین جبیں

بنشین بنشین پیش زن زشت نشین　　بنشین غضب زشت زن زشت ببین

نہم صنعت مجرد است وآں عکس صنعت منقوط است یعنی حروف شعر مہملہ باشد۔ مثالش این است ۔

حاکم مصلح کامل در دہر　　داور ملک دل اہل کمال
او محامد ہمہ دارد در دہر　　عدل را حکم دہد در ہمہ حال

ایضاً

سرور داد دہِ اہل کمال　　حلم او کام ہمہ دادہ مدام
در حلال او ہمہ دم حکم روا　　کردہ مسدود ہمہ کار حرام

ایضاً

عالم ماہر و علامۂ عہد　　در ہمہ علم وعمل صدر امم
سکۂ عدل وکرم دارد او　　علم او در ہمۂ ملک علم

ایضاً

محمد اسم مطہر رسول کل امم　　کہ کردگار ورا کردہ سرور عالم
رسول عدل ورا اسلام طاہر آوردہ　　کلام او ہمہ ہدا لا رسوم او محکم
اساس عدل علم کرد در ہمہ اعصار　　مدام ورد دل دہر را اسم او مرہم

دہم صنعت رقطا است ۔ حرفے منقوط وحرفے غیر منقوط۔

کجا شوق و غمِ جانان؟ کجا جانِ وفا بازم — کجا فرخ رخے رندے، کجا شوخِ دغا بازم
مي کند با تو غمزهٔ جانا — غمزهٔ شوخ مي کند با تو

کلمهٔ منقوط و کلمهٔ غیر منقوط

زینتِ ملک تیغ او بیني — تیغ او زینتِ ممالک بین

یازدہم[۱۱] صنعت مغالطه است و آں چناں باشد که چیزے را به چیزے تشبیه کنند که در عرف عکس آن باشد و بنوعے توجیه کنند که آن مغالطه دفع شود۔ مثالش این است۔

جبینت مشابه بود با ہلال — جو بدر است در دیده ابروے تو

جبینت ہلالے است گر دیده بدر — ہلال است آن بدر ابروے تو

دوازدہم[۱۲] صنعت اغراق در وصف ممدوح۔ مثالش این است که در تعریف اسپ گفته شد۔

ہنوزش خرید است ازاں پسے — بہایش دہد گر دو عالم کسے

سیزدہم[۱۳] صنعت تیسیر است و آں چنان است که اوصاف مختلفه را بر یک نسق ادا نماید مثالش این است که در وصف جاموش گفته شد

به شوکت چو کوه و به رفتن چو نیل
به قوت چو دیو و بہیکل چو پیل

چہاردہم[۱۴] صنعت ترصیع که چہار خانه است که از دو طرف خوانده شود۔ مثالش این است:۔

برعارض	بے ساختہ	برقع	مفگن
بے ساختہ	جانا گندہ	افگن	بچمن
برقع	افگن	زروے خود	ای مہ من
مفگن	بچمن	ای مہ من	شور و فتن

آن مہ نگہ	از پنجرہ	دارد	ہر سو
از پنجرہ	دارو بجہانے	نگہ	او
دارد	نگہ	او لبسو ہر	زشت و نگہ
ہر سو	او	زشت و نگہ	لبستہ بوجہ

پانزدہم صنعت تفویف است یعنی بنائے شعر بر وزنے و لفظے شیریں، و عبارہ رنگین، و قوافی درست، و ترکیبے لطیف، و معانی ظاہر صاف گذارد تا در فہم نزدیک باشد و دراک آن بہ فکر و اندیشہ و امعان نظر احتیاج نیفتد کہ آن معیوب است و از استعارات بعید و محاورات شاذ و تشبیہات کاذب خالی باشد، و از تقدم و تاخر ناخوش آیندہ پاک، و عبارت تمام ابیات یکسان باشد، و الفاظ غریبہ و غیر مانوسہ نہ داشتہ باشد. چنانچہ دریں غزل است۔

غزل

گر سرِ زلف سیہ افشانی — جانِ یک خلق خدا بستانی
آنچہ از عشوہ توانی کردن — ہرچہ از غمزہ کنی بتوانی
چون بلا کہ نگہت بر سرِ جور — کشورِ دل زتو در ویرانی
بہتر از آنچہ کہ دانم ہستی — خوش تر از ہرچہ بگویم آنی
جلوہ ہرگہ کنی از نازو ادا — زہرہ پیشِ تو نہد پیشانی
تا نظر بر رخِ صافت کردم — ہم چو آئینہ ام از حیرانی
یوسفِ عصرِ خود ای شوخ توئی — کہ مساوی بہ مہِ کنعانی

داغ دارم ز تو چون لاله بدل
خون دلم گشته زنا فرمائی

شانزدہم صنعت ترصیع است یعنی جواہر نشاندن کہ کلمات مسجع باشد و الفاظ در وزن و حروف مساوی، چناں چہ دریں بیت است

ای منور زروے تو اختر | دی معطر ز موے تو عنبر

منور و معطر و روے و موے و اختر و عنبر سجع است

ہفدہم تجنیس و آں اقسام است - یک قسم دریں بیت منودہ می شود ؎

درفراق تو ای غزالِ خطا | می سرایم غزال لیک خطا

غزال و غزال و خطا و خطا تجنیس است و از اقسام آں رد العجز علی الصدر است یعنی کلمہ کہ در آخر بیتے یا مصراعے آمدہ باشد در اول دیگرے بیاید مثالش این است۔

خمارم نہ رفتہ است از سر ہنوز | کہ تا دیدہ ام نرگس پر خمار

قرارم بہ دل نیست در ہجر تو | شدم در فراقت چنیں بے قرار

تجنیس مرکب کہ یک کلمہ مفرد باشد و دیگرے مرکب۔ مثالش این است۔

نہ شد مہر تابندہ پیش رخت | نہ گردید تا بندہ ات ای نگار۔

دیگر تجنیس مزدوج کہ کلمات متجانس مترادف افتد، مثالش این است

تا بت نگار تا افتادہ کار | در دلم نالاں عارض گل نار نار

بلبل صفتم میان گل نار تو نار | گردیدہ دلم ز چشم خوں خوار تو خوار

اشتقاق و آں نیز از اقسام تجنیس است یعنی دو لفظ متقارب در ترکیب و

حروف در شعر بیاید - مثالش این است :-

نوائے نہ دارو اگر عاشق تو ‏ ‏ ‏ بود کار عاشق ہمیں بے نوائی

ہیجدہم ایہام یعنی بہ گمان افگندن وآں چناں باشد کہ لفظے دو معنین را بکار دارند - مثالش این است -

زاہد بیا بہ میکدہ امشب مقام کن ‏ ‏ ‏ یک بار خود زیارت بیت الحرام کن

آصف ملک سلیمان جہاں خواہد شد ‏ ‏ ‏ ہر کہ چوں من بجہاں صاحب دیواں باشد

نوزدہم توسیم وآن آن است کہ بنائے قافیہ بر حرفے گذارد کہ نام ممدوح یا آنچہ مقصود شاعر است - ازاں ظاہر شود، مثالش این است

جان من عید بر تو میموں باد ‏ ‏ ‏ بر مراد تو چرخ گردوں باد

چوں غرض مبارک باد عید بود قافیہ بر لفظ میموں گذاشتہ شد، ایضاً بر نام ممدوح قافیہ گذاشتہ شد

جان و دل ما بود فدائے محمد ‏ ‏ ‏ خلقت ما چوں شد از برائے محمد

بیستم تلمیح وآں چنان است کہ لفظ اندک بر معانی بسیار دلالت کند مثالش این است :-

نیست دیوان مرا زیور تہذیب روا ‏ ‏ ‏ سخن بندہ عروسے است کہ عریاں باشد

چون نہ گردد بند مرغ دل ورد ‏ ‏ ‏ زلف او دام ست و خالش دانۂ

بیست و یکم تنسیق الصفات وآں آن است کہ چند وصف مختلف پے ہم یک چیز را کنند - مثالش این است

ماہ روئے ہمرو قدے غنچہ بو ‏ ‏ ‏ کج نگاہے نازو ر بنگے تند خو

وایں از صنعت تیسیر تفاوتے سہل دارد، بلکہ یکے است۔

بیست و دوم[۲۲] مطابقۃ است یعنی مقابلہ چیزے است بہ مثل آں۔ مثالش این است ؎

غم زدہ دل شاد نہ گردد اگر — تلخ کند شیرینیٔ عیش تو

دریں جا غم و عیش و تلخ و شیریں متقابلان اند۔

بیست و سوم[۲۳] تشبیہ یعنی چیزے را بہ چیزے مانند کردن۔ مثالش این است۔

اے جمالت شگفتہ در گل زار — خرمی در رخت چو صبح بہار

شگفتگی جمال را بہ گل زار و خرمی رخ را بہ صبح بہار تشبیہ دادہ۔

دورِ رخت حلقۂ خطِ سیاہ — ہالہ تو گوئی زدہ بر گردِ ماہ

و اقسام تشبیہ حصر نہ دارد۔ کما لا یخفی۔

و معائب شعر نیز بسیار است۔ قلیلے مناسب مقام مرقوم می گردد۔ اول تخلیع[۱] آن است کہ بر بحور ثقیل و اوزانِ ناخوش شعر گوید۔ چناں چہ یکے از قدما گفتہ است ؎

اے بتِ من چرا ہمی سوزی مرا — پس ہر دمے می زنیم بے گنہ

و سخافتِ این کلام ظاہر است۔ عدول[۲] از جادۂ صواب یعنی شاعر برائے وزنِ شعر یا صحتِ قافیہ خطائے لفظی و معنوی جائز دارد بحکم "یجوز للشاعر ما لا یجوز لغیرہ" وایں متمسکے قوی است لیکن دلیل عجز شاعر است۔ معہذا این امور در اشعار عرب جائز داشتہ اند نہ در کلام فرس۔ زیادت[۳] کلام چناں چہ دریں مصراع گفتہ "نہ ہست اکنوں و نہ باشد و نہ بودہ است ہرگیزا" لفظ ہرگز است نہ کہ ہرگیزا حذف[۴] یعنی کم کردن حرفے برائے وزن شعر چناں چہ سعدی گفتہ۔

گر به تشریف قبولم به نوازی تُلکم — در به تازانهٔ قهرم بزنی شیطانم

لفظ تازیانه است ۔ تغیرِ الفاظ از منہج صواب چناں چہ دریں بیت است

اے میر بوحمد کہ ہمہ محمدت تُہی — از کنیت تو خیزد وانہ خاندان تو

ابو محمد را بوحمد گفتہ است ۔ و از جملہ متغیرات ہنیز بمعنی ہنوز و غنوییدن بمعنی غنودن و شنوییدن بجائے شنیدن و خفتیدن و خسپیدن بجائے خفتن و امثال این بسیار است "العاقل یکفیہ الاشارہ" مناقضہ تناقض در شعر است کہ معنی دوم مخالف و منافی معنی اول باشد چناں چہ درین شعر است ۔۔

ہجران تو با مرگ برابر کنم ای راک — از مرگ بتر باشد ہجران تو دانی

در مصراع اوّل ہجران را با مرگ برابر کردہ و در ثانی ازاں بدتر گفتہ ۔ و تضمین ہم معیوب است بہ این معنی کہ تمام معنی بیت اوّل بہ بیت دوم متعلق باشد۔ مثالش این است ۔

دل برے آتشینِ گل رخسار — لب کہ شمع ہر انجمن دیدم

ہم چو پروانہ زآتشِ غیرت — چارۂ خویش سوختن دیدم

معنی بیت اوّل بدون بیت ثانی معلوم نہ می شود و تضمین بہ این معنی کہ مصراع یا بیتِ دیگرے را در کلام خود درج کند مذموم نیست بلکہ محمود است و خطائے معنوی نیز معیوب است یعنی در معنی شعر قبحے بہم رسد ۔ و آں را حصر نہ تواں کرد۔ ترکیباتِ ناخوش و آن نیز قبیح است ۔ چناں چہ دریں شعر است

خرمن ز مرغِ گرسنہ خالی کجا بود — تا مرغکان گرسنہ ایم و تو خرمنی

لفظ تو "خرمنی" ممدوح را گفتن بہ غایت رکیک است ۔ بجہت ترکیبے زشت کہ در کلام است ۔ و مبالغہ و غلو را ہم قبیح شمردہ اند ۔ چناں چہ دریں بیت است ۔

بہ تیر از چشمِ نابینا سپیدہ پاک بردارد — کہ نہ دیدہ بیازارد نہ نابینا خبر دارد

اگر نظر بہ آں کنیم کہ "احسن الشعرا کذبہ" ایں چرا قبیح بود۔ لیکن گفتہ اند۔ تفصیل مبالغہ و غلو مفصل بالا مرقوم شد۔ و ایں قسم مبالغہ البتہ مذموم بود بلکہ کفر است چناں چہ انوری گفتہ۔

بزرگوارے کاندر کمال قدرت خویش	نہ ایزد است و چو ایزد بزرگ بے ہمتا

تجاوز اللہ عنہ۔ و اہلی شیرازی گفتہ "چون یوسف مصر صد غلامت باشد" اہانتِ پیغمبر نمودن کفر است۔ بایستے چنین می گفت کہ تو یوسف مصر خودی یا از و کم نہ در حسن۔ دیگر از عیوب شعر در اول قصیدہ و غزل و ابتدائے کلام الفاظ منحوسہ متروکہ استعمال کردن است۔ چناں چہ بایں معنی بالا ایمائے شدہ و دریں بیت ظاہر است :۔

اگر خواجہ نخواہم کہ بماند بہ جہاں	خواجہ خواہم کہ باشد بہ جہاں نداند

و ایں نہایت نامستحسن است و فقیر در صنائع شعر جمیع مثال ہا از خود آوردہ و در معائب کلام دیگراں جمع کردہ کہ مثال معیوب از خود گفتن لطفے نہ داشت۔ و باید دانست کہ ایں قسم خطا ہا ہمہ استادان مثل اوستاد ین انوری و افضل الدین خاقانی و مصلح الدین سعدی و فردوسی و عنصری و رودکی و رشیدی و معزی و شنائی و غیرہم کردہ اند و در اشعار ایشاں ایں مقدمات ہست چون لازم انسان سہو و خطا است از چنیں امور گزیر نیست علی الخصوص در وقتے کہ لاعلاج باشد و جہت وزن و قافیہ التزام چنیں امور کردہ می شود۔ و اللہ الہادی۔

بر ضمیر منیر نکتہ سنجان با فطانت و ذکا پوشیدہ نہ ماند کہ باعث تصنیف ایں کتاب آں بود کہ در عنفوان شباب حدتے در مزاج و شوخیے در طبیعت بمرتبہ تمام بود و معہذا گرفتاریِ دل و تعلق بہ خوبانِ طاقت گسل علاوہ آں گردیدہ کہ اکثر در وصفِ حسنِ خوباں شعرے و غزلے طرح می شد۔ رفتہ رفتہ

مجموعہ گردیده - واین ہیچ مدان ہرگز بدستور شعرائے دیگر سعی وفکر برائے مضمون نہ کرده ودر غلبات شوق آں چہ بخاطر می رسید بے توقف تحریر می نمود ۔چناں چہ اکثر درروزے صد وبیست وزیاده ازاں کہ دماغ چاق می بود گفتہ می شد ۔ وچوں اکثر مطالعہ کتب اشعار استادان می نمود زمینے کہ خوش می آمد دراں فکر نظم می نمود بعد مدتے بہ ترغیب یکے از رفقا بہ ترتیب آں متفرقات متوجہ شده دیوان مرتب ساخت - وعجب دارم ازصاحب کمالان کہ چرا بہ نظم حکایات دروغ واقاویل باطل پرداختہ اند ۔چناں چہ فردوسی درشاه نامہ اکثر آں چہ نوشت کذب وبہتان است ۔مثل قصۂ سیمرغ کہ نام راہبے بود کہ زال را پرورش داده ۔ چہ دروغ ہا می نویسد کہ ہیچ ذوی العقولے انگشت قبول براں نہ نہد ۔ درجنگ اسفندیار می نویسد کہ چوں رستم ازجنگ اسفندیار روئین تن عاجز شد ومجروح گشت پرسیمرغ برآتش نہاد - او آمده علاج جراحت رستم نمود ۔ وچوب تزے بہ او داد کہ تیر ساختہ بہ آں اسفندیار را درچشم زده ہلاک ساخت ۔ وقس علی ہذا ۔جنگ رستم وہفت خوان وکشتن دیو سفید واکوان وغیره از قبیل این است ونظامی درلیلی ومجنون بہتان وکذب ہا بافتہ بہ آب وتاب تمام این قصہ را نظم نموده وجامی بدستور درقصۂ یوسف وزلیخا مبالغہ ہا وکذب ہا بہم بافتہ ۔ عزیز مصر کہ یکے از انبارداران حاکم مصر بود اورا پادشاه گفتہ وچہ قدر درشوکت خسروانۂ او مبالغہ کرده ۔حاصل سخن آں کہ شاه نامہ وسکندر نامہ ولیلی ومجنوں وخسرو وشیریں ونل دمن وغیرہا اکثرش دروغ است ۔اگر یک راست باشد ده دیگر کذب است ۔ عاقل را چہ ضرور کہ اوقات بہ نظم اقاویل باطل صرف نماید وکلام خود را پیش عقلا بے قدر کند وجہال را بہ ضلالت افگند کہ ایشان این امور را صدق می شمرند ۔اگر حق تعالی طبیعتے موزوں بخشیده باشد

چرا سخن ہائے راست وحکایات صدق را نظم نہ باید کرد کہ بہ دروغ باید پرداخت، وکلام را بے رتبہ باید ساخت۔ درین باب صاحب حملۂ حیدری مستثنیٰ است۔ دوم آں کہ بمدائح مردم نہ پرداختہ کہ آں بوئے گدائی می دہد۔ والحق قدما درین معنی لاعلاج بودہ اند۔ زیراکہ شعر بہ فرمودۂ ملوک می گفتند یا در مدائح ایشان تاوسیلۂ تقرب گردد علیٰ کل التقدیرین مدح ایشان لازم می شد و این بے بضاعت ازین ہر دو شیوہ بری بود۔ زیرکہ سوائے باقی بودن اثرے غرضے ومطلبے نہ داشت۔ قابل مدح غیر ذات پادشاہِ حقیقی دیگرے نیست یا مدح ائمہ ہدیٰ کہ موجبِ ثواب وحسنہ است۔ مثل خود را برائے غرض دنیوی ستودن عندالعقل مستحسن نیست آرے ستودن خوباں ومبالغہ در وصف خط وخال ایشان موجب ذکائے طبع وبینش اہل دل جائز است کہ اہل معنی وصاحبان سخن دراں لاعلاج اند واز سخن سازی چارہ نہ دارند۔

در گلشن جان نو گل رنگین سخن است   نخل رطب معنیِ شیرین سخن است
ہم تاج کنوز دولت دین سخن است   آخر سخنے گفتہ اند ایں سخن است

"للہ کنوز تحت العرش مفاتیحہا السنۃ الشعراء"

در صدر خطبہ ذکر یافت کہ در کلام مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ مصراعہائے موزوں یافتہ اند واز حضرت امیرالمومنین صلوٰۃ اللہ علیہ دیوانے در شعر موجود است وآں چہ گفتہ اند کہ در کلام مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ بلا قصد مصاریع موزون افتادہ حرفے سست وبے نظم است۔ زیراکہ این جماعت در کلام الٰہی چہ خواہند گفت۔ حق تعالیٰ بدون قصد وارادہ کارے نہ می کند۔ وبسہو صدور افعال از جناب او جل شانہ محال۔ پس بہ ارادہ خواہد بود وزن ونظم کلماتے کہ در قرآن موجود اند مثل بسم اللہ الرحمان الرحیم۔ "لن تنالوالبر حتیٰ

تنفقوا" و "نصر من اللہ وفتح قریب" و "ویرزقہ من حیث لایحتسب" و "للہ ما فی السمٰوات والارض" و "ثم اقررتم وانتم تشہدون" و "ثم انتم ہٰؤلاء تقتلون".
پس ازین معلوم شد کہ بارادہ حق سبحانہ وتعالیٰ جل شانہ قصد وزن نمودہ زیراکہ غفلت در علم علیم حکیم قدیم متصور نیست ۔ پس شعر اارادتہً وحالتے غریب ازیں جہت حاصل است ۔ بلکہ جمع سابقہ شعر را از لوازم نشأۂ ولایت دانستہ اند وازین است کہ از ائمہ اثنا عشر سلام اللہ علیہم وصحابہ کبار وتابعین واکثر مجتہدین وعارفین وعلمائے محققین واولیاء واصفیاء اشعار معروف ومشہور است ودر دیوان ہا مسطور وبر السنہ وافواہ مذکور ۔ ونشأۂ آن بر اہل بصیرت وعرفان ظاہر است ۔ چناں چہ قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین کاکی علیہ الرحمہ بر این بیت کہ

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر است

قالب تہی کردہ وجان بہ جان آفرین سپردہ ۔ پس نشأۂ این فن از عمدۂ مراتب کمال است واز حالت تواجد ایں جماعت پیدا است "فہم من فہم" وآن چہ در اخبار ذم آں واقع شدہ شعر شعرائے ایام جاہلیت است کہ کلام ایشاں باطل وغیر صواب بودہ ۔ واز دین وآئین بہرہ نداشتہ اند ۔ پوشیدہ نماند کہ بعضے مقدمات درین خطبہ بہ تکرار ذکر یافتہ ۔ باعث آن بر صاحب بصیرت مخفی نخواہد بود کہ دراں محل اظہار آں باعث فائدہ بودہ ۔
مخفی نماند کہ ایں رسالہ در ابتدائے سن شباب چناں چہ مذکور شد مرقوم شدہ بود من جملۂ آن اشعار منشی داشتم کہ موافق طبع خود پارۂ انتخاب کردہ بود ۔ واز روئے آن منتخب اکثر عزیزان نقول برداشتہ بودند ۔ وفقیر نظر بہ آن کہ رطب و یابس در کلام می باشد ارادۂ نظر ثانی داشت ۔ لیکن تا پانزدہ سال

میسر نیامد کہ اشغال دیگر درمیان می بود۔ بعد انقضائے ایں مدت در سنہ ۱۱۴۲ یک ہزار و یک صد چہل و دو فرصتے اتفاق افتاد۔ نظر ثانی برآں مجبوراً کردم قریب یک سال دریں کار کشید۔ آنچہ بعقل ناقص رسید۔ حتی المقدور حک واصلاح وکم و زیاد کرد۔ تا ایں رسالۂ کلیات بدیں تفصیل بر بیست وہشت کتاب مرتب گردید۔

۱۔ خطبہ، ۲۔ قصائد، ۳۔ قطعات، ۴۔ غزلیات، ۵۔ رباعیات، ۶۔ مستزاد، ۷۔ مخمسات، ۸۔ مربع ترکیب، ۹۔ ترکیبات، ۱۰۔ ترجیعات، ۱۱۔ مفردات، ۱۲۔ مراثی، ۱۳۔ بحر طویل، ۱۴۔ تسمیط، ۱۵۔ مثنویات بحر مثنوی مولوی روم، ۱۶۔ مثنویات بحر شاہ نامہ فردوسی، ۱۷۔ مثنویات بحر خسرو شیرین زلالی، ۱۸۔ مثنویات بحر لیلیٰ مجنون نظامی و جامی، ۱۹۔ مثنویات بحر حدیقۂ حکیم سنائی، ۲۰۔ مثنویات بحر مخزن اسرار نظامی، ۲۱۔ مثنویات بحر سبحۃ الابرار جامی، ۲۲۔ مثنویات بحرہائے مختلف سوائے ہفت بحر مشہور، ۲۳۔ لطائف، ۲۴۔ ہجویات، ۲۵۔ غزلیات ریختہ، ۲۶۔ مثنویات ریختہ، ۲۷۔ ملمعات، ۲۸۔ خاتمہ۔ و اکثر صنائع شعریہ در خطبہ تحریر یافتہ۔ اگر در عبارت نسخ تناقضے و اختلافے ظاہر شود ازیں جہت باید دانست، و معتبر ہمیں است کہ در نظر ثانی بحال ماندہ۔

چو شد مرقوم نظم دل فریبم	نظر کردم بہ ہر حرفش سراپا
ز سر تا پا بہ اصلاح اندر آمد	کہ تا نبود دراں یک حرف بیجا
برائے ہدیۂ ارباب معنی	بود ایں نسخۂ مرغوب زیبا
شود آئینۂ اصحاب بینش	برد زنگ ملال از روئے دل ہا
کند روشن دلاں را زندہ ہر دم	بود جاں بخش چوں حرف مسیحا
شگفتہ ہم چو گل گردد ازاں دل	نگہ در وے کند چوں مرد بینا

طرب خیزاست ہر بحر زمینش | ہمہ اقسام شورش روح افزا
سخن از خوبیِ او قاصر آمد | نہ گنجد در سبو بے شبہ دریا
طلب کردم ز دل تاریخِ ختمش | بگفتا در جواہم کاسے معلا

در آں دم کو مرتب گشت چوں گل
ہزار و یک صد و چل بد و بالا

امید از ناظران آن کہ سہو را اصلاح نمودہ از نکتہ گیری چشم بپوشند و بہ سخن مرغوب اکتفا نمودہ از غیر مرغوب درگذرند۔

شعر اگر اعجاز باشد بے بلند و پست نیست | در یدِ بیضا ہمہ انگشت ہا یک دست نیست

بر علیم اگر نظر کنی نبود خوب | اصلاح معائب از تو دارم مطلوب
عیب تو بود گر کنی از علیم فاش | معیوبم اگر من تو نہ باشی معیوب

وقد وفقت باتمام ہذہ الافکار الابکار الدقیق علی وجہ التدقیق والتحقیق حامداً لمن ہو المتعالی عن الردیف والمثل القافیۃ والتشقیق ومصلیاً علی مطلع نظم دیوان النبوۃ ومقطع کلیات الرسالۃ صلوٰۃ دائمۃ کافیۃ وافیۃ مبارکۃ وعلی ردیفہ وابن عمہ ووصیہ والہ وعترتہ وعلی احبابہ وصحبہ وتبعہ یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا علیہم تسلیماً کثیراً۔

دیوانِ فائز

جان! ایّامِ[1] دلبری ہی یاد سیرِ گل زار و مے خوری ہی یاد
دیکھتا نہیں سورج کوں نظراں بھر جس کوں تجھ جامۂ زری ہی یاد
خوب پھولی تھی باغ میں نرگس گُل صد برگ و جعفری ہی یاد
وہ چراغاں وُ وہ چاندنی کی رات سیر ہت پھول و پھلجھڑی ہی یاد
وہ تماشا وُ کھیل ہولی کا سب کے تن رختِ کیسری ہی یاد
ہو دِوانا جنگل میں کیوں نہ پھرے جس کو وہ سایۂ پری ہی یاد
ای سیہ مست! میری انکھیوں کی لال بادل کی تجھ جھری ہی یاد؟
جب تمن پاس فائز آیا تھا
بات کہنا بھی[ی] مسری ہی یاد

ای شوخ ترے سر پہ عجب چیرہ زری ہی
اور جامہ دو دامی[2] کا بسایا اگری ہی

دیکھا ہوں زلف و رُخ کو ترے جب ستی سجن مجھ کوں قرار غم ستی شام و سحر نہیں
تجھ عشق بیچ فائز شیدا خراب ہی کچھ قتلِ بے گناہ سے تجکوں حذر نہیں

---

[1] ایّام: یہاں واحد کے طور پر استعمال کیا گیا ہی اور اس کے معنی ہیں 'زمانہ'
[2] دو دامی: (دیکھو فرہنگ) یہ لفظ آتش نے بھی استعمال کیا ہی کہتے ہیں ؎
شکار اپنے ہمارے حسن کا شاید کر کھیلے گا پہنتا ہی مرا صیاد پیراہن دو دامی کا

خوباں کے بیچ جانا ممتاز ہی سراپا
انداز دلبری میں اعجاز ہی سراپا
پل پل مٹک کے دیکھے ڈگ ڈگ چلے لٹک کے
وہ شوخ چھل چھبیلا طناز ہی سراپا
ترچھی نگاہ کرنا کترا کے بات سننا
مجلس میں عاشقوں کی انداز ہی سراپا
نینوں میں اس کی جادو زلفاں میں اس کی پھاندا
دل کے شکار میں وہ شہباز ہی سراپا
غمزہ، نگہ، تغافل انکیاں سیاہ چنچل
یارب نظر نہ لاگے انداز ہی سراپا
انکھیاں

مجھ پاس کبھی وو قدِ شمشاد نہ آیا
اس گھر منے وو دل برِ استاد نہ آیا
گلشن مری انکھیاں میں لگے گلخنِ دوزخ
جو سیر کو مجھ ساتھ پری زاد نہ آیا
سانجھ آئی و یو دن بی ہوا فکر میں آخر
وو دل بر جادو گر صیاد نہ آیا
آیا نہ ہمن پاس کیا وعدہ خلافی
فائز کا کچھ احوال مگو یاد نہ آیا
بھی

زلف تیری ہوئی کمند مجھے
اس میں باندھا ہی بند بند مجھے
خاک سیتی سجن اٹھا کے کیا
عشق تیرے نے سر بلند مجھے
نہیں جگ بیچ اور راحت دل پر
وصل بن تیرے سود مند مجھے
میں گرفتار ہوں ترے مکھ پر
جگ میں نہیں اور کچھ پسند مجھے
فائز اس طور سے ہوا ہی ملول
توں جلاتا ہی جیوں سپند مجھے

گل ترے مکھ کی فکر میں بیمار
جیو بلبل کا تجھ قدم پہ نثار
گل کوں ای شوخ مکھ ٹک دکھلا
کہ خزاں کر دکھا دے اس کوں بہار

مست سے دل کوں ہی حسد لازم — نین تیرے بہت ہوے سرشار
اِس گلی میں قدم کرم سوں دھر — کہ کرو دل ہر قدم پہ جیو نثار
ماری مجھ کوں ای کمان ابرو — یہ پلک تیر و یہ نگہ تلوار
ہجر میں تیرے آہ کرتا ہی — دلِ عاشق نہیں ہی ٹک بےکار

کیا کرے تجھ سے پاپی سوں فائز
سینہ غم سوں ہی تیرے آبلہ دار

ابرو نے ترے کھینچی کمان جور و جفا پر — قرباں کروں سو جیو ترے تیرِ ادا پر
یاقوت کو لاوے نہیں خاطر[1] میں کبھی وہ — جس کی نظر ای یار پڑے تیری حنا پر
کیا خوب ترے سر پہ لگے چیرۂ سالو — کیا زیب دیوے لبسمہ[2] تری سبز قبا پر

---

[1] خاطر میں نہ لانا = توجہ نہ کرنا، قدر نہ کرنا، بات نہ پوچھنا
[2] لبسمہ (دیکھو فرہنگ) اس لفظ کا تلفظ باسمہ اور وسمہ بھی ملتا ہی۔ فائز نے ایک فارسی مثنوی میں کہا ہی:-

باسمہ کار بود جیبِ نکو — کہ نظر شیفتہ گردد بر او

اور اپنے ایک خط میں یہ فقرہ لکھا ہی "جامہ باسمۂ پرکار"
فرہنگ آصفیہ میں یہ لفظ وسمہ کے یہ معنی بتائے گئے ہیں "ایک قسم کا چھپا ہوا کپڑا جو چاندی کے ورقوں اور چونے کی لاگ سے چھاپا جاتا ہی"
شاہ نصیر دہلوی کا ایک شعر ہی:-

اودی لبسمے کی نہیں تیرے رضائی سر پر
مہ جبیں رات یہ تاروں بھری آئی سر پر

جو لوگ کپڑوں پر لبسمہ کرتے تھے وہ لبسمہ چی کہلاتے تھے۔

تجھ دام میں ای آہوئے چیں بند ہی فائز
ہرگز نہیں اوس طائر اندیشہ خطا پر

تری بانکی نگہ پر دل فدا ہی　　ہر اک غمزے اُپر جاں مبتلا ہی
چھیدتی سب کے دل کوں جیوں بادام　　کرتی تجھ پلک کام سوزن کا
شہر دلّی میں ثانی اب ناہیں　　فائز اس دل ربا سریجن کا

ای یار نصیحت کو اگر گوش کرے تو　　یہ طور و طریق اپنے فراموش کرے تو
دیوانے سیانے ہویں[1] سب دیکھ تجھ اکھیاں　　اک چشم کی گردش ستی بے ہوش کرے تو
ای سرو چیاں آوے اگر میری بغل میں　　جنت کا چمن خانۂ آغوش کرے تو
حوراں نہ کریں خلد کے گلبن کا نظارا　　جب سیم بدن اپنے کو گل پوش کرے تو
اس فائز بے چارے کی تب قدر پچھانے
اِک جام محبت کا اگر نوش کرے تو

تری گالی مجھ دل کو پیاری لگے　　دعا میری تجھ من میں بھاری لگے[2]
نہ ہی قدر عاشق کی بوجھے سجن　　کسی ساتھ اگر تجھ کوں یاری لگے
کبھلا نہ لیوے وو عیش آرام سب　　جسے زلف سیں بے قراری لگے
نہیں تجھ سا اور شوخ اے من ہرن　　تری بات دل کوں نیاری لگے

---

[1] دیوانے سیانے ہویں = جو سیانے ہیں وہ دیوانے ہو جائیں۔
[2] من میں بھاری لگے = دل پر گراں گزرتی ہے۔ ناگوار ہوتی ہے۔

بھواں تیری شمشیر زلفاں کمند — پلک تیری جیسے کٹاری لگے
ہوے سرد بازار واہن کا دیکھ — اگر گردِ دامن کناری لگے
نہ جانوں تو ساقی تھا کس بزم کا — نین تیری مجھ کوں خماری لگے
وہی قدر فائزؔ کی جانے بہت
جسے عشق کا زخم کاری لگے

شور تیرا سبی کے در سر ہے — ذکر تیرا بہ شہر گھر گھر ہے
عاشقاں کا ہوا ہے دل غربال — ہر پلک تیری جیسے نشتر ہے
گڑ سیں میٹھا ہے بوسہ تجھ لب کا — اس جلیبی میں قند و شکر ہے
رحم تجھ کوں نہیں ہے کچھ مجھ پر — دل مگر تیرا سخت پتھر ہے
عشق کی آگ میں رہے دن رین — یار تیرا مگر سمندر ہے
شاہِ خوباں ہمیشہ فائزؔ پر
رحم کر رحم یہ قلندر ہے

سجن مجھ پر بہت نامہرباں ہے — کہاں وہ عاشقاں کا قدرداں ہے
کہوں احوال دل کا اس کوں[۱] کیوں کر — بہت نازک مزاج و بدزباں ہے
مرا دل بند[۲] ہے اُس نازنیں پر — عجب اس خوش لقا میں ایک آں ہے
بھواں شمشیر ہیں دو زلف پھانسی — ہر اک پلک اُس کی مانندِ سناں ہے

---

۱ اس کوں = اس سے

۲ بند ہے = گرفتار ہے، قید ہے، عشق میں مبتلا ہے۔

چندر سب بے وقر ہی اس بدر آگے[۱]   صفا اس مکھ کی ہر اک پر عیاں ہی
سمجھتا ہی ترے اشعار فائز!
خدا کے فضل سوں وہ نکتہ داں ہی

مرا محبوب سب کا من ہرن ہی   نظر کر دیکھو وہ آہو نین ہی
نہیں اب جگ میں ویسا اور ساجن   مجھے صورت شناسی بیچ فن ہی
سبی دیوانے ہیں اُس مہ لقا کے   مگر وو دلربا جادو نین[۲] ہی
مرے ویرانے دل میں ای پری رو!   شکار آکر کرو یہ کدلی بن[۳] ہی
کرے رشکِ گلستاں دل کو فائز
مرا ساجن بہارِ انجمن ہی

یار میرا میانِ گلشن ہی   غرقِ خوں پھول تا بدامن ہی
دل لبھاتا ہی سب کا وہ ساجن   دل فریبی میں اس کو کیا فن ہی
تارے جیوں[۴] دُر ہیں جس کے حلقہ بہ گوش   وہ بنا گوشِ صبحِ روشن ہی
اُس نظارے سے سب شہید ہوئے   وو نین کیا بلائے رہ زن ہی

---

۱ بدر آگے = بدر کے آگے

۲ جادو نین = جس کی آنکھ میں جادو ہو۔

۳ کدلی بن = کدلی کا جنگل۔ کدلی ایک درخت ہی جس کی لکڑی سے جہاز بنائے جاتے ہیں۔ کیلے کو بھی کدلی کہتے ہیں۔

۴ "تارے جیوں" = "تارے کا سا"

کیا بیاں کر سکوں میں گت اُس کی
فائزؔ اَنت خوش ادا سریجن ہی

مرے دل بیچ نقشِ نازنیں ہی — مگر یہ دل نہیں یاروں نگیں ہی
کمر پر تیری اس کا دل ہوا محو — ترا عاشق بہت باریک بیں ہی
جو کہیے اُس کے حق میں کم ہی بے شک — پری ہی، حور ہی، اروح الامیں ہی
غلام اُس کے ہیں سارے اب سریجنا — نگر میں حسن کے کرسی نشیں ہی
مجھے ہی موشگافی میں مہارت — جو نت دل محو خطِ عنبریں ہی
نظر کر لطف کی ای شاہِ خوباں
ترا فائزؔ غلامِ کمتریں ہی

ای سجن وقتِ جاں گدازی ہی — موسمِ عیش و فصلِ بازی ہی
ان چکوروں[1] سے دور رہ ای چاند — قول[2] عشاق کا نمازی ہی

---

[1] چکوروں: یہ لفظ ذو معنیین ہی اگر اس کو چکور کی جمع قرار دیں تو اس محل پر اس سے عاشق مراد ہوں گے کیوں کہ چکور چاند کا عاشق سمجھا جاتا ہی۔ اور اگر اس کو چکورا کی جمع مانا جائے تو اس کے معنی ہوں گے اوباش آوارہ گرد لوگ اور رقیب مراد ہوں گے۔

[2] قول نمازی ہو: قول معتبر ہی۔ اُردو میں یہ فقرہ کہیں اور میری نظر سے نہیں گزرا مگر فارسی محاورات، امثال، اقوال وغیرہ کا ایک ضخیم مجموعہ جامع التمثیل کے نام سے عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں مرتب ہوا تھا۔ اس میں یہ محاورہ لکھا ہی حرفش نمازی نیست۔ حرف فارسی میں سخن اور قول کے معنی میں آتا ہی۔ فائزؔ نے جو محاورہ باندھا ہی وہ اسی فارسی محاورے کی مثبت شکل ہی۔ جامع التمثیل کا ایک قلمی نسخہ میرے کتب خانے میں موجود ہی

اِس قلندر کی بات سہل نہ بوجھ — عشق کے فن میں فخرِ رازی[1] ہی
ہم قریں مجھ نہ کر رقیباں سوں — طور یاروں کی پاک بازی ہی
عاشقاں جان و دل گنواتے ہیں — یہ نہ طورِ زمانہ سازی ہی
فائز اس خوش ادا سریجن پاس[2]
بے گناہاں کا قتل بازی ہی

بے سبب ہم سے جدائی نہ کرو — مجھ سے عاشق سے برائی نہ کرو
خاکساراں کو نہ کریے پامال — جگ میں فرعون سی خدائی نہ کرو
بے گناہاں کوں نہ کر ڈالو قتل — آہ کوں تیرِ ہوائی[3] نہ لکھ[4] کرو
ایک دل تم سے نہیں ہی راضی — جگ میں ہر ایک سوں برائی نہ کرو
محو ہی فائز شیدا تم پر
اس سے ہر لحظہ بکھائی نہ کرو

مکھ ترا صاف مثل درپن ہی — نین عقل و ہراں کی رہزن ہی
دل کو ہنس ہنس لبھائے جاتی ہیں — دل بری میں تجھے عجب فن ہی

---

[1] فخرِ رازی = یہ بہت بڑے عالم اور مصنف تھے۔ انھوں نے قرآن مجید کی ایک نہایت مبسوط تفسیر لکھی ہی جو تفسیر کبیر کے نام سے مشہور ہی۔ ان کا نام ابوعبداللہ محمد بن عمر اور لقب فخرالدین تھا۔ ایران کا قدیم شہر رَے ان کا وطن تھا۔ اسی کی نسبت سے رازی کہلاتے ہیں۔ انھوں نے ۶۰۶ھ میں وفات پائی۔

[2] اُس پاس = اس کے نزدیک۔ اس کے خیال میں۔

[3] تیرِ ہوائی = وہ تیر جو بغیر نشانہ متعین کیے ہوے پھینکا جائے۔

[4] نہ لکھ = نہ لکھو۔ نہ خیال کرو۔

سیر کر میرے سینے کی مونہیا — داغ سوں دل بسانِ گلشن ہے
سینہ سب کا ہوا ہے جیوں چھلنی — ہر پلک تجھ مثال سوزن ہے
سیانجھ عالم میں تیری زلفاں کی — پر بنا گوشش صبحِ روشن ہے
پھنس گئے اس کمند میں عاشق — یو کناری جو گردِ دامن ہے
گال گُل، نین نرگسِ شہلا — زلف سنبل، نگر یو گلشن ہے

میرے دل سوں نہ جاوے تیرا خیال
دل فائز نگر نشیمن ہے

تجھ بدن پر جو لال ساری ہے — عقل اس نے مری بساری ہے
بال دیکھے ہیں جب سوں میں تیرے — زلف[1] سی دل کوں بے قراری ہے
سب کے سینے کو چھید ڈالا ہے — پلک تیری نگر کٹاری ہے
اوڑھنی اودی پر کناری زرد — گرد شب کے سورج کی دھاری ہے
قہر و لطف و تبسم و خندہ — تیری ہر اک ادا پیاری ہے
ترچھی نظراں سوں دیکھنا ہنس ہنس — مور سے چال تجھ نیاری ہے

دھوپ سا یو کپول ناری ہے — کرن سورج کی وو کناری ہے
چھپ رقیباں سوں آنا نہیں وو چاند — کیا رین ہجر کی اندیاری ہے
نہیں اثر کرتا صبر کا مرہم — دل عاشق میں زخم کاری ہے
گلِ باغِ جنوں ہے رسوائی — عزتِ ملکِ عشق خواری ہے
خون دل بادہ و جگر ہے کباب — نغمۂ بزمِ وصل زاری ہے

---

[1] زلف سی = زلف کی سی۔ زلف کی طرح

لیلیٰ مجنوں کا ذکر سرد ہوا — اب تمھاری ہماری باری ہی
ملنا عاشق سوں ہی بہانے سوں — یہ نصیحت تن ہماری ہی
مجھ کوں مت جانو یاد سوں غافل — رات دن دل کوں تو شماری ہی

دل بندھا[1] سخت تیری زلفاں پر
عقل فائز کی اُن لباری ہی

ای جاں شب ہجراں تیری سخت بڑی ہی
ہر پل مگر اس نس کی برمھا کی[2] گھڑی ہی[3]
ہر بال میں ہی میرا دل صاف گرفتار
کیا خوب تری زلف میں موتیاں کی لڑی ہی
نیلم کی جھلک دیتی ہی یاقوت میں گویا
سو تیرے لب لعل پہ مسّی کی دھڑی ہی
تھے ذکر درازی کے تری ہجر کی شب کے
کیا پہنچی شتاب آکے تری عمر بڑی ہی

---

[1] دل بندھا: دل وابستہ ہوا، لگا، پھنسا، گرفتار ہوا۔

[2] برمھا کی گھڑی: انسانوں کا ایک سال دیوتاؤں کا ایک دن اور دیوتاؤں کا ایک سال برمھا کا ایک دن ہوتا ہی اس لیے برمھا کی گھڑی سے بہت طویل مدت مراد ہوتی ہی۔

[3] فائز کا یہ مطلع پڑھ کر میر و سودا کے ہم عصر راغب دہلوی کا یہ مطلع یاد آجاتا ہی:-

تجھ بن یہ شب ای یار نپٹ ہم پہ کڑی ہی
ہر اس کی گھڑی روز قیامت سے بڑی ہی

سورج کا جلانے کوں جگر جیوں دل فائزؔ
ای نار تو کیوں دھوپ میں سر کھول کھڑی ہی

ایک پل جا نہ کہوں نین سوں ای نورِ بصر
ٹک نہ ہوا اس دلِ تاریک سوں ای بدر بدر

تیری اس صبح بناگوش و خطِ شکیں سوں
سیر کرتا ہوں عجب شام و سحر شام و سحر

جل کے میں سرمہ ہوا بلکہ ہوا کاجل بھی
خانۂ چشم میں تجھ پاؤں جو ٹک راہ مگر

راہ داراں[1] لیویں ہر گام میں جیو کا حاصل
ہے گا اس راہ میں ای عمرِ ابد جاں کا خطر

قبلے سوں موکھ پھرایا ترے مکھ کی جانب
کیا زاہد نے تکے سوں سوے بت خانہ سفر

چاند سورج کی رکھ عینک کوں سرِ ابرِ فلک
خم ہو کرتا ہی نظر تا کہ دیکھے تیری کمر

ای خوب رو فرشتہ سیر انجمن میں آ
سروِ روانِ حسن ہمارے چمن میں آ

موکھ باندھ کر کلی سا نہ رہ میرے پاس تو
خنداں ہو کر کے گُل کی صفت ٹک سخن میں آ[2]

عشاق جاں بکف کھڑے ہیں تیرے آس پاس
ای دلربائے غارتِ جاں اپنے فن میں آ[3]

دوری نہ کر کنار سوں میری تو ای ہما
کب لگ رہے گا دور ٹک اپنے وطن میں آ

تیرے ملاپ بن نہیں فائزؔ کے دل کو چین
جیوں روح ہو بسا ہی تو اس کے بدن میں آ

---

[1] راہ دار = گزرباں ، راستے کا محافظ ، راستے کا محصول لینے والا۔ اس شعر کے دوسرے مصرعے میں اس راہ سے راہ عشق کی طرف اشارہ ہی۔ اس لیے راہ دار سے یہاں راہ عشق کا راہ دار مراد ہی یعنی معشوق۔

[2] سخن میں آ = باتیں کر

[3] اپنے فن میں آ = اپنا ہنر دکھا ، اپنا کام کر۔

تجھ سا نہیں زلف و خط پری کا — یہ ناز ہی سحر سامری کا
کرناں کا بنا ہی نور رخ سوں — چیرا ہی جو سر پہ تجھ زری کا
ہنس ہنس جو مجھے نظر کرے تو — ہی طور غریب پروری کا
ای چاند تجھ آگے عرقِ خجلت — ہر شام ہی مہر[1] خاوری کا
دوری نہ کرو ہمن سے اس حال — دل محو تمہاری دلبری کا
تجھ قد کوں بغل کرے تمنا
فائز کو خیال برتری کا

مستمنداں کو ستایا نہ کرو — بات کو ہم سے دُرایا نہ کرو
دل شکنجے[2] میں نہ ڈالو میرا — زلف کو گوندھ بنایا نہ کرو
حسن بے ساختہ بھاتا ہی مجھے — سرمہ انکھیاں میں لگایا نہ کرو
تم سے مجھ دل کو بہت ہی امید — مجھ سے مسکیں کو کڑھایا نہ کرو
بیدلاں سوں نہ پھراؤ مکھڑا — ہم سے تم آنکھ چرایا نہ کرو
مخلص اپنے کو نہ مارو ناحق — حقِ اخلاص بھلایا نہ کرو
عشق میں فائزِ شیدا ممتاز
اس کوں سب ساتھ ملایا نہ کرو

---

[1] مہر خاوری کا یہ 'مہر خاوری' کی فارسی ترکیب کا ترجمہ ہی۔ کا یہاں اضافت توصیفی ہی ۔ اردو میں حرف اضافت کا یہ استعمال اب متروک ہی ۔

[2] شکنجے میں ڈالنا یہ سخت تکلیف دینا۔ شکنجہ 'مجرموں کو سزا دینے کی ایک کل تھی جس میں ان کی ٹانگیں کس دی جاتی تھیں ۔

جب سجیلے خرام کرتے ہیں | ہر طرف قتلِ عام کرتے ہیں
مکھ دکھا چھب بنا، لباس سنوار | عاشقوں کو غلام کرتے ہیں
گردشِ چشم سوں سریجن سب | بزم میں کارِ جام کرتے ہیں
یہ نہیں نیک طور خوباں کے | آشنائی کو عام کرتے ہیں
مرغِ دل کے شکار کرنے کوں | زلف و کاکل کو دام کرتے ہیں
شوخ میرا بناں میں جب جاوے | اُس کو اپنا امام کرتے ہیں

خوب رو آشنا ہیں فائز کے
ل سبی رام[1] رام کرتے ہیں

راست اگر سروسی قامت کرے | یار کی آنکھوں میں قیامت کرے
پانی[2] ہووے آرسی اس مکھ کو دیکھ | زہرہ اسے کیا کہا قامت کرے
طور مری عقل و خرد سے ہے دور | مجھ کو سبی خلق ملامت کرے
چھب ہوے جس شخص کو تجھ ماہ سی | سروِ قداں بیچ امامت کرے
دہر میں فائز سا نہیں ایک تن | عشق کے قانوں میں قیامت کرے

مونھ[3] پھول سے رنگیں تھا وساری تھی اُس ہری | کھترانی ایک دیکھی میں پنگھٹ پہ جبیں پری

---

[1] رام رام کرنا = سلام کرنا، توبہ توبہ کرنا، نفرت اور بیزاری کا اظہار کرنا، یہ ہندوؤں کی زبان ہے۔

[2] پانی ہونا = شرمندہ ہونا، اب اس معنی میں 'پانی پانی ہونا' بولتے ہیں۔

[3] اس زمین میں قزلباش خان امید کا یہ مطلع مشہور ہے۔

بامن کی بیٹی آج مری آنکھ سوں پری | غصہ کیا و گالی دیا اور وگر لری

جیری ہیں اس کی اُربسی[1] رمبھا[2] و رادھکا[3] — پر بھو نے دھرا بنائی نہیں ویسی دوسری
میں نے کہا کہ گھر چلے گی میرے ساتھ آج — کہنے لگی کہ ہم سوں نہ کر بات تو بُری
دھک جا کے اُس کی بانہہ کو پکڑا میں ہاتھ سوں — کہہ بیٹھی جا دئی مارے[4] کرتا ہی مسخری
چوما لیا ادھر پر اسے جب لگا کے گل — کہنے لگی مغل[5] یہی ریت ہی بُری
کم دیکھی فائزؔ ایسی حسن میں میں ہندنی
بتیں برکھ برکھ ز غم او گھڑی گھڑی

(ریختہ کہ تضمین شدہ)

موہوں درپن سا تجھ پر ای حبیب — شاکیاً عن قسمتی بما یصیب
تیرے غم میں نین تے بہتا ہی جل — فی البساتین نایحاً کا لعندلیب
عاشق مسکین کا جی ہی حزیں — یخرج ان لم ترحمونی عن قریب
تجھ بنا ہرگز نہیں ہی دل کو چین — لا اری شیئاً بہ قلبی لطیب
عاشقاں کا دل ہوا ہی چھید چھید — دائم المجروح من طعن الرقیب
عشق سے تیرے ہوا جس کو مرض — لا یداوی عندہ ہجرک الطبیب
شاعر رنگیں نہیں ہی مجھ سا اور — قلت شعراً رائقاً فکراً عجیب
فائزؔ شیدا خدا کے فضل سوں — مستفیداً عن وصالک عن قریب

---

[1] اربسی } [2] رمبھا } اندر کے اکھاڑے کی اپسراؤں یا پریوں کے نام۔

[3] رادھکا = رادھا، کرشن کی محبوبہ جو ایک اہیر کی لڑکی تھی۔

[4] دئی مارا = خدا کا مارا ہوا۔ تجھ پر خدا کی مار۔

[5] مغل = ہندو عوام مسلمانوں کو ترک اور مغل کہتے تھے۔

جاگیر اگر بہت نہ ملی ہم کوں غم نہیں
حاصل ہمارے ملکِ قناعت کا کم نہیں

اس ساتھ مہ رخاں کو نہیں کچھ برابری
یوسف سے یہ نگارِ پری زاد کم نہیں

خوش صورتاں سے کیا کروں میں آشنائی اب
مجھ کو تو ان دنوں میں میسر درم نہیں

دل[1] باندھتے نہیں ہیں ہمارے ملاپ پر
مہ طلعتاں میں مجھ کو تو اب کچھ بھرم نہیں

ملتے ہو سب کے جا کے گھر اور ہم سوں ہو کنا
کچھ ہم تو ان چکوروں سے ای ماہ کم نہیں

ظاہر کے دوست آتے نہیں کام وقت پر
تلوار کاٹ کیا کرے جس کو جو دم نہیں

فائز کو بھایا مصرعِ یک رنگ[2] ای سجن
"گر تم ملوگے اُن ستی دیکھوگے ہم نہیں"

مخمّس

غم سے مجھر تا ہوں دلربا کی قسم
دل میں کڑھتا ہوں مہ لقا کی قسم
درد رکھتا ہوں بے وفا کی قسم
راست کہتا ہوں میں خدا کی قسم
تجھ سر یجن کی خاکِ پا کی قسم

نقش تیرا خیال ہی دل میں
یاد کرتا ہوں تجھ کوں تل تل میں
میں دِوانہ ہوں تیری محفل میں
مجھ سی حالت نہیں ہی بسمل میں
تجھ سر یجن کی خاکِ پا کی قسم

جب سے تو درس مجھ دکھایا ہی
لذتِ عشق کو چکھایا ہی

---

[1] دل باندھنا: دل پر رکھنا، پکّا ارادہ کرنا، دل سے کوشش کرنا۔
[2] یک رنگ: غلام مصطفےٰ خاں یک رنگ جو فائز کے ہم عصر تھے۔

غم نے دل کو نپٹ دُکھایا ہی   میرے جی کو بہت جلایا ہی
تجھ سریجن کی خاک پا کی قسم

تجکو خوبی میں اب نہیں جوڑا   تیرے پیچھے سبی کو ہم چھوڑا
یک قلم سرخاں سے منہ موڑا   تیرے غم میں سبی سے دل توڑا[1]
تجھ سریجن کی خاک پا کی قسم

مہر سوں یاد کر تو جان مجھے   تیرے میٹھے بچن سوں شان مجھے
میں فدائی ہوں تو پچھان مجھے   تجھ بنا ناہیں کچھ دھیان مجھے
تجھ سریجن کی خاک پا کی قسم

جب سے میں نے تجھے پچھانا ہی   دل تری شکر میں دِوانا ہی
یہ قلندر صفت نشانا ہی   تیرے دوارے پہ اس ٹھکانا ہی
تجھ سریجن کی خاک پا کی قسم

دل گرفتار تجھ پری رو کا   سینہ زخمی ہی تیغ ابرو کا
نین کرتے ہیں کام جادو کا   دل کا پھاندا ہی پیچ گیسو کا
تجھ سریجن کی خاک پا کی قسم

تیری دوری سے نالے کرتا ہوں   ہجر کے درد و غم سوں مرتا ہوں
ہر نفس سرد سانس بھرتا ہوں   نام تیرے کا ورد کرتا ہوں
تجھ سریجن کی خاک پا کی قسم

عاجز و خاکسار ہوں تیرا   ای سجن کچھ علاج کر میرا
کشورِ عشق میں ہی مجھ ڈیرا   غم کے لشکر نے ملکِ دل گھیرا
تجھ سریجن کی خاک پا کی قسم

---

[1] دل توڑا = دل ہٹایا، قطع تعلق کیا۔

تیری دوری سے دل ہوا بیمار بے ۔ باغی سوں ہوں بہت بیزار
تیری[1] بن فکر کچھ نہیں مجھ کار لَیْسَ فِی الدَّارِ غَیْرُہٗ دَیّار
تجھ سر یجن کی خاکِ پا کی قسم

من سے تو نے مجھے بھلایا ہی اس نمانے کو کیوں ستایا ہی
دل کوں میرے بہت دکھایا ہی ہجر میں تیرے سکھ نہ پایا ہی
تجھ سر یجن کی خاکِ پا کی قسم

آگے تجھ غم سے سینہ خالی تھا مجھ کو ای لال شوقِ پالی تھا
بہ قلندر رنش جلالی[2] تھا عاشق رند لا اُبالی تھا
تجھ سر یجن کی خاکِ پا کی قسم

تیرے مکھ پاس چاند تارا ہی حسن تیرا تو جگ اجارا ہی
سارے خوباں سے تو نیارا ہی تیری انکھیاں نے مجھ کو مارا ہی
تجھ سر یجن کی خاکِ پا کی قسم

محو ہوں میں جمال پر تیرے ہوں دِوانا خیال پر تیرے
متحیر ہوں چال پر تیرے دل بندھا بال بال پر تیرے
تجھ سر یجن کی خاکِ پا کی قسم

مور تجھ چال سوں ہوا بے جان قمری اس سرو قد کے ہی قربان
سنبل اس رشکِ خط سوں ہی پیچاں درپن اس مکھ کو دیکھ کر حیراں
تجھ سر یجن کی خاکِ پا کی قسم

---

[1] تیری بن فکر = تیری فکر کے سوا۔

[2] جلالی = صاحب جلال ۔ جلال والا ۔ درویشوں کا ایک سلسلہ جو سید جلال الدین بخاری سے منسوب ہی۔

جامہ زیبی میں تجھ کوں ثانی نہ — تیری خوبی میں نقش مانی نہ
تجھ بنا عیشِ زندگانی نہ — حاصلِ عمرِ جاودانی نہ

تجھ سریجن کی خاکِ پا کی قسم

بن ترے دیکھے مجھ نہیں آرام — پیارے اس عشق کا ہی کیا انجام
تیری دوری کے غم سوں ای خودکام — سخت ہم پر گزرتے ہیں ایام

تجھ سریجن کی خاکِ پا کی قسم

خوب روئی میں تو مسلّم ہی — حسنِ یوسف سے کیا مگر کم ہی
تیرے مکھ پاس عقل ابکم ہی — جب تجھے دیکھوں عیش اُس دم ہی

تجھ سریجن کی خاکِ پا کی قسم

حق نے خوبی میں تجھ فرید کیا — تیرے ابرو کوں ماہِ عید کیا
تیری انکھیاں نے دل شہید کیا — مجھ سا آزاد زر خرید کیا

تجھ سریجن کی خاکِ پا کی قسم

فائزِ مستمند حیراں ہی — عاشقِ دردمند نالاں ہی
اس سے دوری نہ شرطِ ایماں ہی — تیرے غم سوں ہمیشہ گریاں ہی

تجھ سریجن کی خاکِ پا کی قسم

بحرِ طویل ریختہ

تو نازنیں رسیلا — تو بے وفا رنگیلا
تیری ادا نیاری — ایسی لٹک پیاری
انکھیاں ہیں تیری کھنجن — بنتا ہی تجھ کوں انجن

یہ بھو نہ تیری شمشیر — گھائل آناں سے دل ویر (کذا)
ہے زلف دستہ سنبل — اور ناگنی ہے کاکل
خط پر ہوں تیرے عاشق — باتاں کا تیری شائق
تجھ چال میں بلا ہے — ہر ڈگ میں کئی ادا ہے
باتاں تری رسیلی — چھب ہے بہت سجیلی

ساجن ہے تو ہمارا

مجھ سا نہیں وفادار — تیرا ہوں میں گرفتار
اوراں سے مجھ نہیں کام — تجھ عشق میں ہوں بدنام
دل میں پریت تیری — دیکھے سے ناہیں سیری
تجھ فکر میں دِوانا — دوری سے دل نہ مانا
شیدا ترے حسن کا — باندھا[۱] ترے بچن کا
حیراں تری ادا پر — والہ تری صدا پر
عالم ہے تجھ پہ مائل — عاشق ہیں تجھ سے گھائل
دنیا میں اے سرِجن — تجھ سا نہیں ہے موہن

تو دل کا ہے پیارا

تو ماہِ دلبری ہے — تو مہرِ خاوری ہے
لیلیٰ ہے تیری باندی — شیریں ہے تیری راندی
چندرسا مکھ ہے تیرا — دل بند تجھ پہ میرا
ہم سوں نہ کر جدائی — خوبی نہیں، برائی
تجھ پر تو میں فدا ہوں — اس غم میں مبتلا ہوں

---

[۱] باندھا ترے بچن کا = تیری باتوں میں بندھا ہوا، تیری گفتگو کا عاشق۔

کینہ نہ راکھ من میں　　سختی نہ کر بچن میں
کر لطف و مہربانی　　گالی نہ دے گمانی
عالم ہی تجھ پہ حیراں　　تجھ غم سے سب پریشاں
خوباں سے تو نیارا

آ میرے پاس بیتم　　کر مجھ کو خود سے محرم
دوری نہ کر ہمن سے　　کر شاد دل بچن سے
ساجن نہ کر بلائیں　　مرتا ہوں تجھ ادا میں
تو سب کا آشنا ہی　　بے رحم بے وفا ہی
میں تجھ پہ مبتلا ہوں　　دروازے تجھ گدا ہوں
پھرتا ہوں غم سے حیراں　　ہی وصل میرا درماں
ہم سوں نہ راکھ کینا　　کر صاف اپنا سینا
مجنوں ہوا ہوں تجھ پر　　کیوں ظلم کرتا مجھ پر
ہی دل نہ سنگِ خارا

پیارے پریت سوں مل　　ہم کوں نہ راکھ بیدل
تجھ بن نہیں ہی مجھ چین　　کب کل پڑے ہی دن رین
تیرا ہوں میں دیوانا　　تجھ سا نہیں نمانا
میں سین تیری پائی　　وو آن دل کوں بھائی
تجھ سا کہاں سجن ہی　　گل سا جو تجھ بدن ہی
عاشق ہوں تجھ پری پر　　اس خطِ عنبریں پر
دلبر نہیں ہی تجھ سا　　عاشق کہاں ہی مجھ سا
تجھ کوں نہیں ہی ثانی　　پر من سے تو نے جانی
فائز کوں کوں بسارا

مثنویاتِ ریختہ

مناجات

خدایا فضل کر تو بیکساں پر | کریما رحم کر تو عاجزاں پر
خدایا تو حقیقی پادشا ہی | مجازی پادشہ تیرا گدا ہی
قدیما، قادرا، پروردگارا | رحیما، عادلا، آمرزگارا
ہمن پر رحم کر اپنے کرم سے | کہ پیدا بی کیا تونے عدم سے
نہیں ہم کوں وسیلا ورائے حق | سبھوں کا ہی توئی رازقِ مطلق
توہی جاں بخش سب دیو و پری کا | توہی لائق جہاں میں برتری کا
توئی روزی رساں ہی ای خداوند | نہیں تجھ کوں شریک اور مثل و مانند
نہیں تجھ کوں شریک ای ذاتِ بےچوں | ہی تجھ قدرت سی آباد ہاموں
کہ پیدا تجھ سے ہوئی عقلِ اوّل[1] | ملائک، چرخ، سورج، چاند، بادل
ستارے ثابت و سیار تجھ سے | فلک کی گردش و رفتار تجھ سے
کیے پیدا سی آبائے علوی | کہ اُن بعد امہات آئی ہیں سفلی
جواہر اور عرض تجھ سے ہی پیدا | بنا بر مصلحت ہی فعل تیرا
وُ صورت اور ہیولیٰ بی ہی تجھ سے | ہی یہ دن رین سب پیدا بی تجھ سے
(یہ سب دن رین پیدا بی ہی تجھ سے)

عناصر حکم سے تیرے ہیں برپا | تری قدرت ہی دنیا بیچ پیدا
ہوئی تجھ حکم سے پیدا نباتات | تری تسبیح میں جنگل کی ہر پات
جواہر آفریدی ہور معادن | سبی انواع حیواں، آدمی، جن

---

[1] عقلِ اوّل = روح القدس۔ جبریل

بشر کوں تیں نے بخشی سرفرازی — سبھنا پر کرنے لاگا نرکس تازی
سبھن میں وو ضعیف و ناتواں ہے — ولے تجھ حکم سے وو حکم راں ہے
ہوا تجھ فضل سے جگ میں مکرم — کیا تیں نے وِسے سب میں معظم
نبی اور اوصیا اور قطب[1] ، ابدال[2] — ہوے تجھ فضل سے دنیا میں کمال
نہیں تجھ کوں خدایا اور ثانی — تو اِس افلاک و انجم کا ہے بانی
سرافرازی تجھی سے سروراں کو — عطا نعمت تجھی سے رہبراں کو
نہیں نومید تجھ سے ایک موجود — معاذ اللہ نہ کر سکیں کو مردود
سبھن کا دست گیر اس جگ میں تو ہے — خدا یا رات دن مجھ من میں تو ہے

---

[1] قُطب ۔ وہ ولی اللہ کہ حکم الٰہی سے عالمِ معنوی میں کسی شہر یا ملک کی نگہبانی اس کے سپرد ہو۔

[2] اَبدال = بدَل یا بدِیل کی جمع ۔ اولیاء اللہ کی ایک جماعت جن کی بدولت دنیا قائم ہے۔ ان کی تعداد ہمیشہ ستر رہتی ہے، جن میں سے چالیس شام میں اور تیس دنیا کے دوسرے حصوں میں رہتے ہیں ۔ جب ان میں کا کوئی مر جاتا ہے تو اس کی جگہ کوئی دوسرا ولی اللہ مقرر کر دیا جاتا ہے۔ یہ لفظ واحد کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے

شاہ محمد صدرالدین ہیسوری نے آج سے تقریباً سوا دو سو برس پہلے اپنے رسالے مراۃ الاسرار میں لفظ 'ابدال' کی شرح یوں کی ہے:۔

"ابدال یعنی تبدیل کنندہ ۔ بیچ مرتبۂ روح الروح کے اپنی خودی سوں بے خود ہو کر تصورِ مطلق میں جس شے کا تصور مقید کرلے اُس شے کی صفت پیدا کرے۔ جیسا کہ نقل ہے کہ ایک بزرگِ کامل سوں خادمانِ صادق التماس کیے کہ اس وقت خرمائے تر ہماری طبیعت چہتی ہے اور بزرگ زمانے میں کھڑا رہتا ہوں بعد ایک ساعت کے میرے تئیں ہلاؤ۔ اسی وجہ حرکت دیے ۔ اس وقت نخل میں سوں اُن کے خرمائے تر جھڑیا۔ یو درجہ اس محل کا ہے"

نظر کر لطف کی اپنے گدا پر
سمیعا گوش کر مجھ ماجرا پر

کہ میں مدت سے غم میں مبتلا ہوں
مرض سے روز و شب اندر بلا ہوں

ہوا دل تنگ میرا اس جہاں سے
توقع کچھ نہیں اب دوستاں سے

کہ بے کاری و بیماری بلا ہی
فقیراں، درد بلا میں مبتلا ہی

نہیں پوشیدہ تجھ پر حال میرا
کرم کر ہوں گدا ای شاہ تیرا

مقدس ذات تیری غیب داں ہی
تجھے پوشیدہ و پنہاں عیاں ہی

شفا خانے سے اپنے بخش صحت
سرافرازی کی جگ میں بھیج خلعت

مکرم کر مجھے اور تندرستی
جہاں میں بخش ای خلاقِ ہستی

بہ حق مصطفےٰ خیر النبیین
بہ حق مرتضےٰ خیر الوصیین

قبول اس پُر گنہ کے کر مطالب
نظر اصلا نہ کر میرے معائب

کہ میں غرقِ گنہ سرتا بپا ہوں
اسیرِ نفس کافر ماجرا ہوں

ولیکن تو ہی غفار ای خداوند
کرم میں تجھ نہیں ہی مثل و مانند

شفا دے فائزِ زار و حزیں کو
بلند اقبال کر اندوہ گیں کو

در مدح شاہ ولایت علیہ الصلوٰۃ والسلام

شاہ ولایت اسد اللہ علی
اس سے ہی اسلام سراسر جلی

دیں نبی کا اس سے ہوا جلوہ گر
اس کی جسے مہر نہیں قد کفر[1]

ہی بہ خلافت وصی مصطفےٰ
باب حسین و حسن مجتبےٰ

---

[1] قد کفر = کافر ہو گیا

لحمک[۱] لحمی ہے اُسی شان میں — دن بستی اس کی نبی کی جان میں
سب ہی پیمبر کا ہے زوجِ بتول — صاحب و سر دفترِ اہلِ قبول[۲]
قاتلِ کفار نہیں جز علی — سرورِ[۳] عالم کا جہاں میں وصی
توڑ کے صف کفر کی صفدر ہوا — چیر کے اژدر کے تیں حیدر[۴] ہوا
علم اسے علمِ نبی کا تمام — بابِ مدینہ[۵] کہا خیرالانام[۶]
جس نے پیا موںہ کا نبی کے لعاب — علم کا وو کیوں نہ ہوے جگ میں باب
اور نہیں دہر میں مشکل کشا — کام کرے سب علی مرتضےٰ
باغ نبوت کے وو ریحانتین[۷] — اس کے دو فرزند حسن اور حسین
شبر و شبیر نبی کے عزیز — جن سے کیا اہلِ حسد نے ستیز
حضرت زہرا ہی تھی بضع الرسول[۸] — اس کے منافق ہیں سبی دیو و غول

---

۱ لحمک لحمی = تیرا گوشت میرا گوشت ہے۔ رسول صلعم کی ایک حدیث کا ٹکڑا ہے۔
۲ اہلِ قبول = وہ لوگ جو خدا کی بارگاہ میں مقبول ہیں جن کے اعمال خدا کو پسند ہیں جن سے خدا راضی ہے۔
۳ سرورِ عالم = دنیا کا سردار۔ مراد پیغمبرِ عرب صلعم
۴ حیدر = شیر۔ حضرت علی کا ایک نام
۵ بابِ مدینہ = شہر کا دروازہ۔ اشارہ ہے رسول کی اس حدیث کی طرف "انا مدینۃ العلم و علی بابُہا" یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔
۶ خیرالانام = سب سے اچھا انسان۔ مراد پیغمبر اسلام صلعم
۷ ریحانتین = دو خوش بودار پودے۔ اشارہ ہے رسول کی ایک حدیث کی طرف جس میں آپ نے حسنؓ اور حسینؓ کو ریحانتین قرار دیا ہے۔
۸ بضع الرسول = رسول کا ٹکڑا یا پارۂ جگر۔ رسول صلعم کے اس قول کی طرف اشارہ ہے۔ "الفاطمۃ بضعۃ منی من اذاہا فقد اذانی ومن اذانی فقد اذا اللہ" یعنی فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس نے اس کو اذیت دی اس نے مجھ کو اذیت دی اور جس نے مجھ کو اذیت دی اس نے خدا کو اذیت دی۔

خیرِ نسا[1] جس پہ نہیں مہرباں
لعن کرے اس کو خدائے جہاں

سرِّ الٰہی سے ہے واقف علی
رہتے ہیں ہم پلہ ہے وہ با نبی

واقفِ آیاتِ کلامِ خدا
کون ہے جز حیدرِ مشکل کشا

جس کوں نہیں شوقِ علی کا مدام
کیا دھرے وہ جام سوں کوثر کے کام

خسروِ آفاق ہے وہ بوالحسن[2]
معتقد اس کے ہیں سبی مرد و زن

جو نہیں دنیا میں علی کا غلام
دوزخِ سوزاں میں ہے اس کا مقام

مہرِ علی کی ہے جسے دل کے بیچ
خوف سے محشر کے اُسے غم نہ بیچ

میرِ عرب شاہِ عجم ہے علی
ہے بی خلیفہ وہ بہ نصِّ جلی

اس کو نبی نے جو دی ذوالفقار
کفر کو معدوم کیا اس نے مار

جان کیا اس نے فدائے رسول
چشمِ منافق میں پڑا خاک دھول

عمرو[3] سے کافر کا کیا سر جدا
اس سے قوی شرعِ رسولِ خدا

مُرّہ کافر کو کیا جب دو نیم
تب پڑا کفار کے دل بیچ بیم

محرمِ اسرارِ رسولِ خدا
کوئی نہ تھا جز علیِ مرتضےٰ

جس کو کرے لطف سے حیدر نظر
دولت و اقبال ہو وے جلوہ گر

کر نظرِ رحم مجھے یا علی
تا کہ رہوں مہر سا میں منجلی

سینۂ غمگیں تو اب شاد کر
اک نگہ لطف سے آباد کر

لشکرِ سودا نے کیا ہے ہجوم
چھائے میرے دل پہ تمامِ غموم

---

[1] خیرِ نسا = سب سے اچھی عورت ۔ مراد حضرتِ فاطمہؓ

[2] بوالحسن = حسن کے والد ۔ حضرت علی کی کنیت

[3] عمرو بن عبدِ وُد = عرب کا ایک نامی پہلوان جو جنگ میں ہزار سواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا اور ۵ھ مطابق ۶۲۷ء میں جنگِ خندق میں حضرت علی کے ہاتھ سے مارا گیا

تو ہی شفا بخش تن زار کا — توئی دوا ہی دل بیمار کا
لطف کریماں سے نہیں کچھ عجب — کرتا ہوں اس راہ[1] سے تجھ سے طلب
صحت جاوید عطا کر مجھے — داخلِ اقلیم شفا کر مجھے
کچھ نہیں ہی لطف سے تیرے بعید — ہووے رین غم کی مری روزِ عید
کوئی نہیں خازنِ گنج خدا — تیرے بن ای حیدرِ مشکل کشا
مجھ کو ہی دو عرض یہی یا علی — آیا ہوں اب مانگنے تیری گلی

فائز بیدل کو سرفراز کر
صحت جاوید سوں ممتاز کر

تعریف پنگھٹ

کیا جب سیر میں پنگھٹ کا گل زار — کنویں کے گرد دیکھی فوج پنہار
کروں کیا وصف اس سنگت کے تحریر — کروں کیا ان کی میں خوبی کی تقریر
ہراک پنہار رواں اک ابھراتی — کنویں کے گرد اندر کی سبھاتی
بیاں کیوں کر کروں اُن کی میں رفتار — کروں تقریر کیا بیجھن کی جھنکار
رواں تھے جیسے پر چندر اجارے — زمیں پر سیر کرتے تھے ستارے
لے آئی تھی جھریا ایک سندر — لے جاتی اک گگریا سیں پر دھر
سبن کی رنگ رنگ لہنگا و ساری — کنارے ان کے تھی ٹانکی کناری
سبوں کے رنگ برنگ تھی بانکڑی ہاتھ — گگریا تھی سبھی کی سر او پر ساتھ

---

[1] اس راہ سے = اس سبب سے، اس وجہ سے یہ 'ازیں راہ' کا ترجمہ ہی

اُناں میں ایک تھی جوبن میں ممتاز ۔ کیا میں اس سوں ہنس کر ایک انداز
متے ہاتھی سی چلتی تھی اُجوبن ۔ نہ آہٹ پاتے گر بجتی نہ بیچن
گھڑا سر پر کھڑی تھی راہ اوپر ۔ یقیں یوسف کی جا ہی چاہ اوپر
گگریا چھوئی میں اس کی اداکر ۔ دیا[1] کرنے لگی وہ منھ چھپا کر
نفھتا کر سینہ بجلی سی چمک کر ۔ گئی جیوں ہرنی آگے سوں مٹک کر
لگی کہنے سکھی سوں منھ پھلاکر ۔ مڑوڑی بھو نہ انکھیاں کوں پھراکر
کہ اب چھوئی ترک نے یہ گگریا ۔ لے جاؤں گھر میں کیوں کرآج دیا
جھوں لگ اِس کنوئیں آئی سوں آئی ۔ نہ لیوں پنگھٹ کا میں پھرنام مائی
مثل ہی بھبلے[2] بامھن گائے کھائی
جواب پھرآؤں تو لچھمن دُہائی

تعریف ہولی

آج ہی روز بسنت ای دوستاں ۔ سرو قد ہیں بوستاں کے درمیاں
باغ میں ہی عیش و عشرت رات دن ۔ گل رُخاں بن نہیں گزرتی ایک چھن
لے عبیراور گجا بھر کر رومال ۔ چھڑکتے ہیں اور اڑاتے ہیں گلال
سب کے تن میں ہی لباس کیسری ۔ کرتے ہیں صدبرگ سوں سب ہمسری
خوب روسب بن رہے ہیں لال زرد ۔ باغ کا بازار ہی اس وقت سرد

---

[1] دیا۔ دیّا = ای خدا یہ ہندو عوام کی زبان ہی
[2] پوری مثل یہ ہی "بھولے بامھن گائے کھائی اب کھاؤں تورام دہائی"

چاند جیسا ہی شفق بھیتر عیاں — چہرہ سب کا از گلالِ آتش فشاں
رنگ سوں ہیں پیرہن سب گل سے لال — نین ہیں رنگیں کنول سے از گلال
ہر چھبیلی از لباسِ کیسری — تازہ کرتی ہی بہارِ جعفری
بیٹھ ہنڈولے جھولتی گاتی ہنڈول — سب گلاں مست ہو گال ہل کرتی ٹھٹھول
ناچتی گاگا ہوری دمبدم — جیوں سبھا اندر کی در باغ ارم
از عبیر و رنگِ کیسر اور گلال — ابر چھایا ہی سفید و زرد و لال
جیوں جھڑی ہر سو ہی پچکاری کی دھار — دوڑتی ہیں ناریاں بجلی کے سار
جوشِ عشرت گھر بہ گھر ہی ہر طرف — ناچتی ہیں سب تکلف برطرف

غلماں بنسیتی رکھا ہیں ہنارنیاں حورعین
سچ ہی دنیا جنۃ للکافرین

در وصف بھنگیڑن درگاہِ قطب[۱]

ایک دیکھی میں بھنگیڑن دل رُبا — من ہرن، کنچن برن، حورِ لقا
اپچھرا اندر کی سوں تھی خوب تر — حسن اُس کا تھا پری سوں بیش تر
دو بھواں تیغِ جنوبی سی دراز — ہونے صد محمود وو مکھ دیکھ ایاز
بیٹھتی چوکی پہ جب وو نازنیں — حسن کے کشور میں تھی کرسی نشیں

---

[۱] قطب ۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی جو دہلی میں قطب صاحب کے نام سے مشہور ہیں سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں ماوراء النہر سے ہندستان آئے اور دہلی میں سکونت اختیار کی ۔ وہیں ۱۴ ربیع اول ۶۳۳ھ کو انتقال کیا ۔

اس نین کا دیکھا دنبالہ بلا | لیتی دل جادو سوں دنبالے[1] لگا
دو نین تھے اس کے چنچل جیوں کھنجن | جن کے دیکھے مرگ پکڑے جوگ بن[2]
تھیں انیندی آنکھیں اس کی دل فریب | جس کے دیکھے دل سے جاتا تھا شکیب
ناک اس کی تھی کلی سوں خوب تر | صاف درپن سوں تھا وو مکھ بیش تر
دو ادھر تھے اس کے جیوں یاقوت لال | گل ہوا اس غنچہ لب کے آگے لال
دانت اس کے تھے سبھی دُرِّ یتیم | لعل کرتے بات ہیں دو لب دو نیم
تھی دھڑی اس کے ادھر پر خوش نما | وو ادھر تھے دونوں لعلِ بے بہا
کنجِ لب پر اس کے تھا زیبندہ خال | تھے دراز اس موکمر[3] کے سر کے بال
ناگنی سی تھیں لٹاں دو اُس کے بر | ہوش اُن دیکھے سے جاتا تھا بسر
جیوں کلی تھا رنگ فندق دل ربا | گل سے افزوں تھی ہتھیلی میں صفا
از حنا سر پنجہ ہا عناب رنگ | می پرید از دیدنش از کلہ بنگ[4]
دل فریبی کی ادا اس کی انوپ | روپ میں تھی رادھکا سوں بھی سروپ
پر تکلف پہنی تھی اس نے دو کول | جاتی تھی جس دیکھ سدھ بدھ تن کی بھول
سب ابھوکن اس کے تن پر خوش نما | تھا دوپٹا بادلے کا پُر جبلا
پیشواز[5] اس کی دو دامی ڈانگ دار | دل گرفتار اس میں ہوتا تھا رتار

---

[1] دنبالے لگالیتی = اپنے پیچھے لگالیتی ہولپنے اوپر فریفتہ کرلیتی ہی، موہ لیتی ہی۔
[2] جوگ بن پکڑے = فقیری کا جنگل اختیار کرے فقیر بن کر جنگل میں جا رہے
[3] موکمر = جس کی کمر بال کی سی باریک ہو یعنی بہت پتلی کمر والی
[4] بنگ ازکلہ یا ازسر پریدن کے معنی ہیں بھنگ کا سر سے اڑجانا یعنی نشہ اتر جانا۔ مصرع کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے دیکھنے سے نشہ ہرن ہوجاتا تھا۔ مدہوش آدمی ہوش میں آجاتا تھا۔
[5] پیشواز = ایک گھیردار زنانی پوشاک جس کے دامن گھٹنوں سے بہت نیچے ہوتے ہیں اس کی شکل ایسی ہوتی ہی جیسے ایک شلوکے میں لہنگا جوڑ دیا جائے۔ ایک زمانے میں پیشواز مسلمان عورتیں پہنا کرتی تھیں

(بقیہ حاشیہ ۲۰۶ پر ملاحظہ ہو)

پا میں تھی شلوار زر لبفت طلا | کرتا فانوسِ دو شاخہ پر جلا
مرتے تھے عشاق دیکھ اس خوب رو | کُلُّ شَیْئٍ ہَالِکٌ اِلَّا وَجْہَہٗ
خوش نما تھا اس کے پگ میں پائے زیب | ایڑی نارنگی و دو تلوے تھے سیب
دو لڑا مالا و بدھی اُربسی[1] | ریہ ن باری میں گہنے کے پھنسی؟
(ورق پھٹا ہوا ہے یہ الفاظ پڑھے نہیں گئے)

مُرکی[2] و نتھ، مانگ، ٹیکا، کان پھول | دیکھ کر گئی سدھ سکل تن من کی بھول
باہو و پہنچی و کنگن، پچلڑی | سرسوں تھی پالگ جواہر میں جڑی
بیچتی تھی بنگ بوزا اور شراب | کرتی تھی عشاق کوں رسوا خراب
کہتی تھی ہر اک سوں وہ آشوب جاں[3] | دَعْ کُؤُسًا وَاسْقِنِیْہَا بِالدِّنَانْ
سب کوں کہتی تھی بہ آواز بلند | قحبہ خانے میں ہے آنا سود مند
دل سوں راکھونگ دور ای عاشقین | اِنْ تَکُوْنُوْا فِیْ ہَوَانَا صَادِقِیْنْ
تھے انیک اس نار کے میتر و میت | غمزے سوں ہر اک کا دل لیتی تھی جیت

(بقیہ صفحہ ۲۰۶) اس کے بعد اس کا استعمال دلھنوں کے لیے مخصوص ہو گیا، رنڈیاں، ڈومنیاں اور بھانڈ ناچتے وقت پیشواز پہن لیتے تھے۔ اودھ کے قصبوں میں مسلمان نائنیں بالعموم سرخ پیشواز پہنتی تھیں۔ اب کچھ دنوں سے یہ پوشاک تقریباً بالکل متروک ہو گئی ہے۔

[1] اُربسی = ایک زیور کا نام ہے۔

[2] مُرکی = (دیکھو فرہنگ) جرأت کہتے ہیں

صبح کا تارا خجل ہو دیکھ بندے کی لٹک

دیکھ سورج یہ جڑاؤ مُرکیاں تھرائے ہے

[3] آشوبِ جان = بلائے جان۔ آفتِ جان۔

دل و انکھیاں میں نہ تھا اس عشق ولاج — رکھی وہ سامان بنانت زرسوں کاج
مجھ کو اس رہ پر ہوا ناگہ عبور — پس توقف لازم آیا بالضرور
ایک چمن میں نے کیا اس جا درنگ — نا نظر آئے تماشا رنگ رنگ
مجھ کوں کہتے لاگی وو حوریں لقا — خوش صفا کلدن اونز کلدن صفا (کذا)؟
سب کوں دکھلا جام کہتی تی وو حور — اِنَّہَا مِفْتَاحُ اَبْوَابِ السُّرُوْر
طرفہ مجلس تھی عجب ہنگامہ — حسن سے تھی وہ ملائے عامہ
ہر طرف بجتا تھا طنبورو رباب — ہر طرف بکتا تھا بوزا اور شراب
خندی اور بازاری اس سنگت میں جمع — ہر طرف ٹچے کھڑے تھے مثل شمع
صف بہ صف ٹچے کھڑے تھے پیش رو — کابلی بچے بہم در گفتگو
جیوں کسائی کی دوکان آگے کلاب — نچے سب کرتے تھے ہر دم اضطراب
تھے بجوڑے سب مہیائے بگاڑ — ہر طرف ان کی کھڑی تھی ایک دھاڑ
تھے رزالے اور حکورے گرد و پیش — پاک باز اس دیکھ کے تھے سینہ ریش
سفلے کوں ہی خودنمائی سوں شرف — آدمی زادے نہیں ہوتے ہدف
کام ہی ناجنس کا تکی ولات — اس بغیر اس کوں نہیں آتی ہی بات
ویسی مجلس میں کے تھے سب دیو دو — بھاگئے وو دیکھ صحبت نیک و بد
دو نکت فوناں[1] میں آئی گفتگو — جمدھر و تلوار پکڑی رو برو
آں یکے برجست و تیغش زد بسر — دوسرے نے اس کو پکڑا از کمر
شَقَّ بِالسِّکِّیْنِ فَوْرًا صَدْرَہٗ — فِی مَحَاقِ الْمَوْتِ اَخْفٰی بَدْرَہٗ
کھل بلی ناگہ پڑی اس بزم میں — سب نظر کرنے لگے اس رزم میں

---

[1] نکت فوں = اس لفظ کے وہی معنی معلوم ہوتے ہیں جو اس زمانے میں اکڑفوں کے ہیں۔

برہم و درہم ہوئی سنگت تمام
یہ فساد اس جا ہوا نزدیکِ شام
چند تن آخر ہوے جو تیا شہید
موت کتے کی موے کیتے پلید

رقعہ

مہربان ہم پر نہیں تو ای نگار
اس سبب سے دل ہی میرا بیقرار
تجھ بنا راحت نہیں ہی ایک چھن
لو لگی ہی تیری مجھ کوں رات دن
مہربانی کر، کرم کر، ای پری
ہی تن سب دل بروں سے دل بری
ابر رحمت سا ہو تجھ پر سایہ ور
بے جہت کرتا ہی ہم سوں کیوں حذر
تیرے غم سوں درد میں ہوں مبتلا
وصل بن ای جاں نہیں دل کو دلا
یوسف ثانی ہی تو ای گل عذار
خوب رویوں میں تجھی پر ہی بہار
دو نین تجھ دل ربا ہیں جیوں پری
مرگ کوں اُن سے نہیں ہی ہم سری
دو بھواں ہیں دونوں تیغ آبدار
خنجرِ مژگاں کی ہیگی تیز دھار
زلف سنبل، گال گل، ہی لالہ رو
تجھ کو دیکھ خوب ہم نے موبہ مو
سرمہ چشمِ مست کا دنبالہ دار
عقل کا کرتا ہی تیرہ روزگار
چھب سے تیری سرو ناموزوں ہوا
داغ سے تجھ لالہ غرقِ خوں ہوا
گل چمن میں ہجر سے ہی سینہ چاک
ڈالتا ہی بلبل اپنے سر پہ خاک
دل براں میں تو ہی سب کا بادشاہ
دو ستارے ہیں زمیں کے تو ہی ماہ
مہ لقا ہیں تیرے آگے سب غلام
کرتے ہیں سب ہاتھ بستہ تجھ سلام
تیری چھل بل نے کیا دیوانہ دل
جگ کی الفت سوں کیا بیگانہ دل
تیری دوری سے ہی سوسن سیاہ پوش
تا نے تجھ نام گل ہی شکل گوش

ناتواں نرگس ہوئی تجھ فکر میں ‏ نت ہی بلبل میری جاں تجھ ذکر میں
چشم بر رہ تیری نرگس روز و شب ‏ ہی کنول باوا اس کو تیرے غم سوں اب
تجھ برہ میں جل کے ہی سنبل کباب ‏ کھاوے تیری زلف سا و پیچ و تاب
چاک دل تجھ عشق میں صد برگ ہی ‏ زنبق و نسریں کو تجھ بن مرگ ہی
تجھ جدائی سے چمن ہی خار زار ‏ باغ میں تجھ بن نہیں ہی کچھ بہار
فائزِ شیدا سوں کر ای جاں ملاپ
بے گنا ہوں کا عبث لیتا ہی پاپ

در وصفِ حسن

ہمارے سجن کو جو دیکھے بشر ‏ ہوے جیوں صنم[1] آپ سوں بے خبر
کماں سے ہیں ابرو نیں ہیں کھنجن ‏ وو مکھ صبح زلفاں اندھیری رین
نین اس کے انجن سوں کھنجن نما ‏ ہر ایک جنبشِ چشم میں کئی ادا
اودھر اس کے یاقوت سیتی ہیں بیش ‏ بدخشاں ہی اس لعل سوں سینہ ریش
گہر اس کے دنداں کے آگے خجل ‏ عقیقِ یمن لب ستی منفعل
مسی کی دھڑی ہی لباں کے اُپر ‏ گرفتار اس پر ہیں اہل نظر
جمی ریکھ مسی کی داتاں کے بیچ ‏ حنا رنگ دیتی ہی ہاتاں کے بیچ
وو زلف اس کی ہیں سنبلِ تاب دار ‏ وو کاکل نظر میں ہیں مانندِ مار
کنک سوں صفا وار ہی وو بدن ‏ کنول ڈال سے ہاتھ گل سے چرن

---

[1] صنم: بت، مورت

صفا رنگ اس کے ہیں چنپے سے بیش — دل عشاق کا اُس کے غمزے سوں ریش
کمر اس کی مانند زنبور ہی — چندر اُس کے مکھ پاس بے نور ہی
ہوا اس کے پنجے سوں مرجاں خفیف — کہ ہی پنجۂ مہر کا وو حریف
حسن سوں بتاں بیچ سردار ہی — دل اُس پریسی کا گرفتار ہی
نظارے پر اس کے ہیں سب دل دلیر — نہ ہوئی نظر اس کے دیکھے سے سیر
سب عاشق گرفتار دیدار کے — سبی محو اس چہرۂ گلنار کے
وو دیدار[1] کے سب خریدار ہیں — ولے مجھ سے ناہیں وفادار ہیں
نہیں اس کے بن وصل مجھ دل کو چین — اُسے دیکھنے کوں ترٹپتے ہیں نین
نہیں غافل اس سوچ سوں ایک چھن — مرا دل ہی اس فکر میں رات دن
بنا وصل ہیتم کے دل ہی حزیں — جدائی سوں اس کی ہی خاطر غمیں
مجھے اس جفا جو سوں نت آس ہی — تعلق مرا اس سوں پر کاس ہی
لٹکتا مٹکتا[2] ہی وو چال میں — گرفتار دل اس کے ہر بال میں
لگے ہی خوش اُس میاں میں کنار — کہ خنجر گزاری ہی اس کوں شعار
سخن خوب کہتا ہی میرا سجن — سبی دودھ پیڑے ہیں اس کے بچن
بیاکل ہی دل اس کے ہجراں سوں نت — مرے دل کوں پیارے سے لاگی ہی ہت

کہاں لگ کروں فائز اوصافِ یار
کہ دریائے قلزم کوں ناہیں کنار

---

[1] وو دیدار = اس کا دیدار

[2] لٹکتا مٹکتا ہی وہ چال میں = جھومتا ہوا مستانہ وار چلتا ہی۔

رقعہ

سلامٌ علیکم علیکم سلام
سنو ٹک ہمارا سجن یو پیام

نہ پاتی نہ پیغام بھیجے مجھے
ترے عشق کی آگ کیوں کر بجھے

نہیں مثل سیماب مجھ دل کوں چین
نہ دن کل پڑے ہی نہ ہی نیند رین

خبر اپنے عاشق کی تجھ کوں نہیں
اگرچہ بھری اس کے غم سوں زمیں

تجھے ڈھونڈتا ہوں میں ہر صبح و شام
نہیں مجھ کو اس فکر بن اور کام

ہر اک دل ہی تجھ درد سوں غم کدہ
جہاں تیرے غم سے ہی ماتم کدہ

بچھڑنا بہت تجھ ستی ہی کٹھن
اگن برہ کی ہی سقر کی اگن

تری زلف میں دل گرفتار رہی
ترے ہجر سوں دل شب تار ہی

تو ہے جنت دائم ہی ایام میں
تو بے فکر ہی عیش و آرام میں

تجھے دیکھ فرہاد ای خوش ادا
کرے رات دن جانِ شیریں فدا

جو مجنوں تجھے دیکھے ای خوش خرام
زباں پر نہ لاوے وو لیلیٰ کا نام

مرے دردِ دل کا ہوا اک دم طبیب
جدائی سوں تیری ہوا ناشکیب

پھروں سوچ میں تیرے میں دربدر
ولیکن نہیں تجھ کوں اصلا خبر

بھلا دو نہیں خاطر شاد سوں
فرامش نہ کر ڈالو مجھ یاد سوں

نہ کریے دلاں پر جفا اس قدر
ٹک آہِ غریباں ستی کر حذر

ستم پیشہ اپنا نہ کر دہر میں
ادھرمی کہاوے گا تو شہر میں

اٹھا بے تکلف ہو مکھ سوں نقاب
مناسب نہیں عاشقوں سے حجاب

اپس وصل سوں دل مرا شاد کر
مجھ آغوش کے گھر کوں آباد کر

ترے ہجر سوں غم میں ہوں مبتلا
نہیں وصل بن عشق کی کچھ دوا

کرو مہربانی سیں مجھ سے ملاپ بلا دو مجھے یا تمھی آؤ آپ
نین تجھ سوں لاگے نین کی قسم نہیں غیر دل میں سجن کی قسم
ترے وصل کی فکر میں ہوں خراب جدائی سوں دل ہو رہا ہی کباب
کڑھا مت تو فائز کو ای دلرُبا
کرم کر جمالِ مبارک دکھا

رقعہ بہ محبوب

میری جاں ہم سیں نہیں ملتی ہو باغ میں میرے نہیں کھلتی ہو
تم بنا دل کو نہیں ہی آرام دل کے خانے میں تمھارا ہی مقام
میں ہوں تجھ یاد میں بس دن حیراں تو رقیبوں کے چمن میں خنداں
ڈھونڈتا ہوں میں تجھے شام و سحر لیک پاتا نہیں کچھ تیری خبر
تجھ بنا میں ہوں جیوں مچھلی بن جل عشق تیرا ہوا مجھ کو آ نکل
تو ہی دل شاد رقیبوں کے پاس میرے دل میں ہی بہت تیری آس
رحم کر رحم جفا جو مجھ پر مہر کر ای بتِ بدخو مجھ پر
تیری انکھیاں نے کیا ہی مجنوں درد سے تیرے ہوا ہوں دل خوں
تیرے نیناں ہیں مگر جادو گر کہ مجھے عقل سے ڈالا ہی بدر[1]
دو ادھر تیرے ہیں جیوں امرت پھل شیرینی میں ہیں مگر شانِ عسل
طاق ابرو نے کیا خلق خراب قبلہ میرا نہیں جز یہ محراب

---

[1] بدر ڈالا ہی = باہر نکال دیا ہی ۔ خارج کر دیا ہی ۔

تجھ بناگوش سے درپن حیران
دل ہی نظارے پہ اس کا قربان

ہر پلک تیری ہی ای جان خنجر
ہر نگہ صبر کی ہی غارت گر

اُن کپولا آگے گل ہی بیرنگ
غنچہ اس غم سیں نہایت دل تنگ

زلف تیری ہیں کمند ای دل برِ
خجل اس مو سے ہوا ہی عنبر

سیب ہی تجھ زنخ آگے بے قدر
رین میں زلف کی چہرہ جیوں بدر

جامہ زیبی میں نہیں تجھ ثانی
تو ہی خوبی میں جیوں نقشِ مانی

سرو تجھ قد سے ہوا ناموزوں
گل ترے مکھ کے غم سوں دل خوں

آ مجھ آغوش میں ای شاہِ بتاں
کہ کروں تجھ پہ دل و جاں قرباں

تعریف جوگن

حسن کا کل کیا بنارس سیر
ماہ رویاں کا ایک دیکھا دیر

آئی مجھ چک[1] مڑھی میں ایک جوگن
مت میں مجھ گھٹ کی اُس بسا جوبن

وہ چہ[2] جوگن ہزار چھند بھری
جوڑے[3] میں باندھے اس کے دیو و پری

بیٹھی تھی مرگ چھالے کے اوپر
مہ رخاں بیچ اسے نہ تھا ہم سر

سر سے پا لگ تمام ننگی تھی
اس کے پنڈے پر ایک لنگی تھی

کم ہی اس مکھ سوں جوت چندر کی
جیری اُس اپچھرا ہی اندر کی

---

[1] آئی مجھ چک = میری آنکھ میں آئی۔ مجھے دکھائی دی

[2] وہ چہ جوگن = واہ کیا جوگن (ہی)

[3] جوڑے میں باندھے = جوڑے میں بندھے ہوئے۔ حکم کے تابع۔

جوڑا بالوں کا باندھ کر جوگن
بیٹھی تھی کنڈلی مار اک ناگن

دل انیتاں کے ڈس کے کرتی بند
سر کے پیچھے رکھی لپیٹ کمند

جوڑا نہیں گیند ہی کنھیا کی
یا سہس ناگنی ہی دریا کی

سرو تھا دلبری و قامت کا
بن میں جوگی ہی کبک اس گت کا

تن چڑھا راکھ گل میں سٹ سیلی
قمری اس سرو کی ہی اک چیلی

مور اُس داغ کا پہن کنٹھا
نٹوا اس بزم کا ہی کنو نٹا

کویل اس عشق بیچ لے بیراگ
کوک سنگی (کذا) بجاکے گاتی راگ

رہ کھڑا ایک پانو پر بگلا
ہی تپسی وہ بحد جوبن کا

مرگ سی چک سوں کھینچ ہرن کی کھال
بک تلیں بیٹھی مرگ چھالا ڈال

نہیں چھپیا تن بھبھوت میں سالا
راکھ میں حسن کا ہی انگارا

جب کرے تپ[۲] سورج کی ٹھاوی (کذا) رہ
چرخ ہو ڑے "نمو نرائن"[۳] کہ

نہ پری تھی نہ حور وہ جوگن
راکھ میں ایک شعلۂ جوبن

---

[۱] کنھیا یعنی کرشن کے گیند اور سہس ناگنی یعنی ہزاروں ناگنوں کا قصہ یہ ہی متھرا کے قریب جمنا میں ایک وَہ یعنی کنڈ تھا جس میں ایک کالی ناگ رہتا تھا اور اسی وجہ سے وہ کنڈ کالی وَہ کہلاتا تھا۔ اس ناگ کے ہزار پھن تھے اور اس کی ہزار ناگنیں تھیں۔ ایک مرتبہ لڑکپن میں کرشن گوالوں کے بچوں کے ساتھ جمنا کے کنارے گیند کھیل رہے تھے۔ اتفاق سے ان کا گیند کالی وَہ میں گر پڑا۔ کرشن اس کو نکالنے کے لیے کنڈ میں کود پڑے اور پاتال میں ناگ لوک میں پہنچ گئے وہاں کالی پڑا سو رہا تھا اور اس کی ناگنیں جاگ رہی تھیں۔

[۲] سورج کی تپ کرنا یہ سورج دیوتا کو خوش کرنے کے لیے تپسیا یعنی ریاضت کرنا۔

[۳] نمو نرائن یہ نارائن کو نمسکار کرتا ہوں۔ خدا کے آگے سر جھکاتا ہوں۔

کرتی تالاب میں نو جب اشنان | سب کنول ہوتے نرگسِ حیراں
اس کوں دل دیکھ ہوا ہی بیراگی | اس میں سیماب سی ہی بے تابی
برق جاں سوز ہی وہ چنچل نار | وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّار

بیان میلہ بہتہ

آج بہتے[۱] کا یار میلا ہی | خلق کا اُس کنار ریلا ہی
مرد و زن سب چلے ہیں اُس جا پر | خلق پھیلی کنارِ دریا پر
بہل و گاڑی میں سب چلیں نسواں | کوچہ بازار میں ہوا چیں چاں[۲]
اہلِ حرفہ چلا ہی سب اقسام | آج سب کا بنے گا اس جا کام
پال تمبو کھڑے ہیں اس جا پر | لوگ گرتے ہیں سب تماشا پر
میوہ اور شیرینی ہی سب اقسام | اُردو[۳] بازار بن گیا ہی تمام
سب ہی واں بلکہ دودھ چڑیا کا[۴] | یہ سبی معجزا تماشا کا

---

[۲] چیں چاں = عورتوں اور بچوں کا شور غل

[۳] اُردو بازار = چھاؤنی کی بازار - صدر بازار - بڑی بازار جہاں سب چیزیں ملتی ہوں - دہلی میں قلعے کے لاہوری دروازے کے سامنے ایک بازار تھی جو شاہ جہاں بادشاہ کی بڑی بیٹی جہاں آرا نے ۱۰۶۰ھ مطابق ۱۶۵۰ء میں قائم کی تھی۔ اس بازار کی لمبائی ایک ہزار پانچ سو بیس گز اور چوڑائی چالیس گز تھی ۔

[۴] چڑیا کا دودھ = وہ چیز جو کہیں نہ ملے - نہایت کم یاب چیز۔

جاتے اس جا امیر فیل سوار — خوب رویوں سے واں لگا دربار
ایک جانب میں بھگتیوں کا ہجوم — خال روشن سے ڈوبتے ہیں نجوم
اور جانب میں کنچنی بازار — اون سے روشن ہوئی ہو وو شب تار
ایک جانب میں بھانڈ کا ہی شور — دیکھنا اُن کا اہلِ دل کو ضرور
مسخروں سے ہی گرم سب بازار — ناچتے کودتے ہیں کھاتے پچھاڑ
ایک جانب میں نٹ کا ہنگامہ — فن میں اپنے ہیں سخت علامہ
ڈھول بجتا ہی اس تماشا میں — سب رزالے کھڑے ہیں اس جا میں
ایک جا پر کھڑا ہی چرخ فلک — اس میں بیٹھے ہیں دیو حور و ملک
راہ اوپر ہی جا بھنگیڑن کی — وو بی بی ہی دوکمیرن (کذا) کی
بھنگیاں کا ہجوم ہی برپا — بات[لہ] اُن کی میں لگ رہا ختنکا
پی قدح سب پڑے ہیں اس جا پر — لعنۃ اللہ ان کے غوغا پر
اور جانب میں ہی شراب فروش — مست اس جا ہیں کرتے جوش و خروش
لات مکّی بی ہوتی ہی اکثر — ہو رہے واں فساد بی در پر
ہی رزالے کا خود نمائی کام — تا کہ نکلے آناں ہیں اُس کا نام
گل فروش ایک سمت بیچے ہار — اُس کی دوکان پر ہوا ہی بہار
اس کے بیٹھا ہی آگے تنبولی — اس کی چنّلی میں ہی بھری ڈھولی

لہ اس مصرعے کا مطلب یہ ہی کہ وہ ہر بات میں لفظ ختنکا استعمال کرتے ہیں بات بات میں ختنکا کا لفظ ان کی زبان پر آتا ہی ۔ انشا نے ذیل کے شعر میں نشہ بازوں اور آزادوں کی زبان سے لفظ ختنکا استعمال کیا ہی ؎

اپنے ختنکے سے جو سبزہ نہ ملا ہم آزاد — ٹوٹی چپلی میں بھلا پوست تو مل سکتے ہیں ۔

پاس بیٹھا ہی اُس کے حلوائی / بیچتا سب طرح کی میٹھائی
پوستی سب کھڑے ہیں اس جا پر / جان دیتے ہیں نامِ حلوا پر
بنگی (کذا) اس بیچ خود نمائی میں / سب رزالے بی بے حیائی میں
سب چکورے بھنگیڑے خانے پر / جیسے کوتے ہیں آشیانے پر
گرم مرغ الذی (کذا) سے سب بازار / اُن کو حیوان و دیو و دو میں شمار
مُجّے بی اس مکان میں حاضر / جنسِ رسوائی کے سبھی تاجر
گبر، ترسا، ہنود، مسلم ساتھ / پھرتے بازار میں پکڑ کر ہاتھ
بہل و رتھ میں بھری ہیں سب عورات / آشنا ساتھ اپنے کرتیں بات
سیر کرتی ہیں اس طرح ہر سو / سب نظر میں ہی چشم اور ابرو
کلکلاتی ہیں آب میں ہر دم / طاق پر دھر رکھی ہی سب نے شرم
آگے پیچھے کھڑے ہیں ان کے حریف[۱] / دال مسادی ہیں سب وضیع و شریف
ہی سندیسا لگا اصیلاں ساتھ / کہ کہاں آویں ہم کہو اس رات
وعدہ ہوتا ہی اُن میں جب بختا (بخت) / جا اترتی ہیں رات کو ہر جا
ٹھور ٹھور ان کے آملیں ہیں حریف / نذر کرتی ہیں سب وجودِ شریف
جمع ہوتی ہیں قحبہ زاتی پاس / خوف ان کو نہیں ہی کچھ نہ ہراس
کارِ بد میں سبھی ہیں آلودہ / فسق بیٹھا ہی جیسا فالودہ
رات اس جا میں یوں گزرتی ہی / قحبہ زن کام اپنا کرتی ہی
صبح ہوتی ہیں سب رواں گھر کوں / زیب دیتی ہیں اپنے مندر[۲] کوں
ہی یہ حاصل تمام میلے کا / اِس بجز[۳] کچھ نہ نفع ریلے کا

---

۱ حریف = مقابل، جوڑ، جوڑا
۲ مندر، مسکن، گھر
۳ اس بجز = اس کے سوا

تا جہان است ایں چنیں باشد — شور و ہنگامہ بر زمیں باشد
فائز از ہم نشین بد بگریز — بانکویاں چو شہد و شیر آمیز
معصیت ہی تمام فسق و فجور — حق رکھے ہر کسی کو اس سے دور
نیک نامی جہاں میں حاصل کر — عشق میں حق کے دل کو واصل کر
لے حقیقی کو دور کر تو مجاز — زانکہ[1] ہی یہ طریقِ اہلِ نیاز
عشق معبود کا مناسب ہی — خالق اس کالبد کا دو رب ہی
سب کو اس جا رجوع[2] ہی آخر — جس کو یہ اعتقاد نہیں کافر
جرم بخشی کر ای خدا ہم پر — نظرِ قہر ہم سے تو کم کر[3]
ہم گنہ گار تو غفور رحیم — ہم ہیں بدکار تو ودود کریم
فضل تیرا ہی بحرِ بے پایاں — گرچہ ہم ہیں تمام پُر عصیاں

بہ طفیلِ محمدِ عربی
بخش دے تو گنہ سبوں کے سبی

در وصفِ کاچن

بھوں آئی ہمارے ایک کاچن — دو گال صفا ہیں اُس کے درپن
پھرتی او سورج سی دن کوں در در — میواں سوں لے سر پہ تارے چندر

---

[1] زانکہ = ازاں کہ، اس لیے کہ
[2] رجوع = پلٹنا، واپسی
[3] کم کر = نہ کر۔ فارسی میں کم کن، مکن کے معنوں میں بھی آتا ہے۔

سنبل کے لٹے ہیں سر کے اس بال — نرگس سے نین وگل سے دو گال
زنبق کی کلی سی ناک کی چھب — غنچہ سا دہان و برگِ گل لب
گلنار کی پکھڑی جیب کی بھانت — تھے دانے انار موتی سے دانت
خوبی کے گہر کا سینہ عمان — تھے اس میں حباب سے دو پستان
ابھری ہیں رنگ اس کی جیون سپاری — گہنے سے لگے بہت پیاری
اس آگے اندیشہ سب ہوا گم — آہوئے خیال کا گرا سُم
جب بولے پکار لیو میوا — سیوا کریں اس کی رام[1] و دیوا
چھن چھن بجیں ہاتھ بیچ کنگن — چن چن کریں پانو بیچ بیجھن
زیبندہ ہے اس کے پگ میں چیہر — نٹھرائی سوں سب کوں دیتی اُتّر
ایک چھن میں کرے انیک انداز — ہر دل کے لبھانے میں دو ممتاز
دھک بیٹھے ادا سے جب مٹک کر — سب جی کے نشانے مارے تک کر
چوڑی سے لگے بہت پیاری — اس کی ہر ادا سبی نیاری
دل باغِ جمال کا ہو مالی — کرنے لگا سیر ڈالی ڈالی

اس حسن کا دیکھ تازہ گل زار
فائز ہوا عشق میں گرفتار

تعریفِ تنبولن

ایک تنبولن دیکھی میں دل ربا — ماہ رخاں بیچ بہت خوش ادا

---

[1] رام و دیوا = بڑے بڑے روحانی مرتبوں پر پہنچے ہوئے لوگ۔ سادھو سنت۔ عابد و زاہد

مرگ سے اس حور لقا کو تھے نین — اس کا ہوا عشق مجھے فرضِ عین
بانگڑی تھی ہاتھ میں اس کے ہری — بیٹھی تھی دو کان میں وہ جیوں پری
کجلا دیا نین میں دنبالہ دار — حسن سے اس حور لقا پر بہار
ہونٹاں اُپر زیب دیتی تھی دھڑی — گل (گلے) میں نئی موتیان کی اُس کو لڑی
کڑوے بچن کنٹھ سے جو کرتی غضب — چڑنے (تھی) سے بدتر ہوے دل جل کے سب
کج وو سپاری سی رہی تھی ادھر — کرتی تھی عشاق کا ٹکڑے جگر
پان پھراتی[1] تھی دو جب بروکاں — جگ کے پھراتی تھی آپس پر دلاں
بیڑے لے اس ہاتھ سوں اہلِ نظر — پان چباتے تھے ز لختِ جگر
کیلے کے گابھے سے ملائم دو ہاتھ — دیکھ کے مرجھاتے تھے کیلے کے پات
رنت دل عشاق کی چوری کرے — ہاتھ میں لے اپنی گلوری کرے
پپڑی[2] لباں پر جمے اس دیکھ کر — نین سٹیں پیک زخون جگر

بیچ میں بیڑے کے گرفتار سب
اہلِ دل اس مکھ کے خریدار سب

تعریف نہان نگنبود[3]

ندی پر نمایاں ہیں سہیں بدن — جیوں روپے کی تھالی میں ڈھلتے رتن

---

[1] پان پھرانا = پانوں کو تلے اوپر کرنا تاکہ ان میں ہوا لگ جاے اور وہ سڑنے نہ پائیں۔
[2] ہونٹوں پر پپڑی جمنا = ہونٹھ سوکھ جانا، منہ خشک ہوجانا، مرعوب، متحیر اور پریشان ہونے کی علامت ہے۔
[3] نگنبود = نگنبود، شاہ جہاں آباد کے شمال مشرق کی جانب دریا کے کنارے ایک مقام ہے۔
جس کے متعلق یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ دوا پر جگ کے شروع میں یعنی آج (بقیہ ص ۲۲۱ پر)

کھڑے گھاٹ پر ہیں سبی سیم بر ۔ خجل اُن کے مکھ سے سورج اور چندر
کرئے دل کو پانی[1] ہر اک ہندنی ۔ نظر پڑتی پانی اُوپر چندنی
دکھاتی ہیں چھاتی نول جوبناں[2] ۔ کلس سونے روپے کے دیکھو عیاں
مرے دل کو آتا ہے اس سے حذر ۔ کہ ان کو نہ لاگے سورج کی نظر
دپری سی، نظر میں یہ ہیں کھترانیاں ۔ صباحت کے اقلیم کی رانیاں
ہے اندر کی مانو[3] سبھا جلوہ گر ۔ کہ ہر نار دستی ہے رمبھا سوں ور
کمر پر جو پڑتے ہیں سب موئے سر ۔ اُناں[4] بیچ مل جاتا موئے کمر[5]

(بقیہ صفحہ ۲۲۰) سے کوئی پانچ ہزار سال پہلے برہماجی سب وید بھول گئے تھے جو اُن کو پرمیشور نے اس جگہ یاد دلائے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ راجا جدِ ھشٹر نے اس جگہ بہت بڑا جگ کیا تھا۔ اب اس جگہ پر سنگِ سرخ کے خوب صورت گھاٹ بنے ہوئے ہیں اور روز صبح کو نہانے والوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ (ماخوذ از آثار الصنادید)

مصحفی کہتے ہیں :۔

تختۂ آب چمن کیوں نہ نظر آئے سپاٹ ۔ یاد آئے مجھے جس دم وہ نگمبود کا گھاٹ
دلی کی آرزو میں مَیں روتا ہوں مصحفی ۔ یاد آئے ہے وہ مجھ کو نگمبود کا جو گھاٹ

[1] دل کو پانی کرنا = دل کو پگھلانا، نرم کرنا، گداز کرنا

[2] نول جوبنا = نئی جوانی والیاں

[3] مانو = گویا کہ، جیسے کہ۔

[4] اُناں ان کی جمع۔ اگلے زمانے میں اُن کا لفظ واحد کے طور پر مستعمل تھا۔ میر کا مشہور شعر ہے۔

میر کے دین و مذہب کو تم پوچھتے کیا ہو اُن نے تو
قشقہ کھینچا، دیر میں بیٹھا، کب کا ترک اسلام کیا

[5] موئے کمر = اضافتِ تشبیہی ہے، جیسے مارِ زلف۔ کمر جو بال کی سی یعنی نہایت پتلی ہے

دو مرغابیاں سی کلولیاں کریں   مل آپس میں ہنس ہنس ٹھٹولیاں کریں

لے جاتی ہیں جیوں اپچھرا جی کوں چھل   کہ دیکھ اُن کو پانی میں دل جائے جل

کریں سیر مل رات دن خاص و عام   بناگوش اور زلف کی صبح و شام

نظر کرکے اس گوشِ پُر دُر طرف   سو خجلت سے دریا میں ڈوبی صدف

ہر اک نار سورج سی سو بھا دھرے   کھڑی ہو سورج کی تپسیا[1] کرے

نین دو کنول اور دو گل ہیں گال   کلی چنپے کی ناک کو ہے مثال

وو جوبن سے سینہ ہے گلشن سکل   لگی جس میں پستاں سے امرت کے پھل

وو رو مادلی دیوے گلشن کو آب[2]   اسی چشمۂ ناف پر دل حباب

کہوں آگے کیا شرم کی بات ہے   کہ امرت کا چشمہ بہ ظلمات ہے

جسے عشقِ خوباں سے لاگے ہے خو   بھراوے وو کب ماہ رویاں سے رو

نظارہ اُناں کا کروں صبح و شام
مجھے رات دن ہے نکویاں سے کام

---

[1] سورج کی تپسیا کرنا = سورج دیوتا کو خوش کرنے کے لیے ریاضت کرنا۔

[2] آب دینا = پانی دینا، سینچنا، چمکانا، بارونق کر دینا۔

فرہنگ

اَبکم = گونگا

اَبھوکن = ابھوکھن - ابھوشن، زیور

اپچھرا = اَپسرا - اندر کی سبھا میں ناچنے والی حسین عورت

اَپس = اپنا - اپنے - اپنی

ات = بے حد - بہت

اُتّر = جواب

اَتیت = سادھو - سنیاسی - جگی - فقیر

اُجارا = اُجالا - روشنی

اجھوں لگ = اب تک - آج تک

اَدھر = ہونٹھ - لب

ادھرمی = بے دھرم - بے ایمان - بے انصاف - بدمذہب

اُربسی = ایک زیور کا نام

آرسی = آئینہ

ارگجا } عطروں اور خوش بوؤں کا ایک مرکب
ارگجہ

اصیل = ماما - خادمہ - لونڈی - باندی

اقامت = کھڑا ہونا - ٹھیرنا

اگری = اگر صندل کی طرح کی ایک خوش بودار لکڑی ہوتی ہے - اس کی دھونی سے کپڑے بسائے جاتے تھے - اگری میں یائے نسبتی ہے

اگن = آگ

اِمام = سردار - پیشوا - بادشاہ

اِمامت = سرداری - پیشوائی - بادشاہی

اِمرِت = اَمرِت - آبِ حیات

امرت پھل } وہ پھل جس کے کھانے سے آمی ہمیشہ جوان رہتا ہے
امرِت کا پھل } سیب اور ناشپاتی کو بھی کہتے ہیں۔

انجن = سرمہ - کاجل

اِندَر = اِندَر - دیوتاؤں کا راجا جو سُرگ یا بہشت میں رہتا ہے اور پانی برساتا ہے
وہ حسین برہنہ عورتوں سے گھرا رہتا ہے اور انتہائی عیش کی زندگی بسر کرتا ہے

اندیاری = اندھیاری - اندھیری - تاریک

آنکل = گہرا ، بہت زیادہ

آنکھ چرانا = نظر بچانا - نگاہ نہ کرنا - بے رُخی کرنا - انجان بننا

اَنوُپ = بے مثل

اَنیک = بہت سے

اُنیندی = نیند سے بھری ہوئی ، خماری - مخمور یا مدھ بھری (آنکھ)

او = وہ

اوصیا = وصی کی جمع (دیکھو فرہنگ لفظ وصی)

آہوے چین = چین کا ہرن جس میں سے مشک نکلتا ہے۔

باب = دروازہ

بادلا = سونے چاندی کا چپٹا تار

بازاری = بازار میں پھرنے والا - اوباش - شہدا۔

باغِ ارم = شداد کی بنائی ہوئی مصنوعی جنت
بانڈ = بھانڈ
بانکڑی = ایک قسم کی لہردار چوڑی، جس کو اب بانک کہتے ہیں
باہو = بازوبند
بَتُول = قطع کرنے والی دنیوی تعلقات کی پیغمبرِ اسلام صلعم کی بیٹی فاطمہؓ کا ایک لقب ہی
بچن = قول ۔ بات ۔ گفتگو ۔ باتیں
بدخشاں = ہندستان اور خراسان کے درمیان ایک ولایت جہاں لعل کی کانیں تھیں یا لعل کثرت سے بکتے تھے ۔
بَدَر = باہر
بَر = بدن ۔ سینہ
بَرکھ = برس
بَرَن = رنگ
بِرَہہ = بِرہَ ۔ فراق ۔ ہجر ۔ جدائی
بِسارنا = بھلانا ، فراموش کرنا ۔ بھولنا
بسرجانا = بھول جانا ، فراموش ہو جانا ، یاد سے اتر جانا
بسمہ = ایک قسم کا چھپا ہوا کپڑا جس پر سنہرے روپہلے نقش و نگار ہوتے تھے جو سونے چاندی کے ورقوں سے چھاپے جاتے تھے ۔ اس طرح کی چھپائی کے کام کو بسمہ کہتے تھے ۔
بَکائی = بک بک ۔ جھک جھک
بِن = بغیر ۔ بجز ۔ سوا
بِنا = بن ۔ بغیر ، بے
بُناگوش = کان کی لو

بمبا = چشمہ - پانی کا خزانہ - وہ جگہ جہاں سے پانی نکلے

بنگ = بھنگ

بوجھنا = سمجھنا - جاننا

بُوزا } بُوزہ } فارسی لفظ ہے - چاول - جَو یا کسی اور غلہ سے بنائی ہوئی شراب

بھانت = طرح - مثل - مانند

بھرم = عزت - وقعت - ساکھ

بھگتیا = رقاصوں کی جماعت کا فرد جو بالعموم رات کے وقت طرح طرح کے روپ بھر کر تماشا دکھاتے تھے - راجپوتانے کی ایک قوم جس کے مرد گاتے بجاتے ہیں اور لڑکیاں رنڈیوں کا پیشہ کرتی ہیں - ناچنے گانے اور نقلیں کرنے والا فرقہ -

بَہل = بہل - بہلی - ایک قسم کی بیل گاڑی جس پر زیادہ تر عورتیں سوار ہوتی ہیں -

بھنگی = بھنگ پینے والا

بھنگیڑن = بھنگ اور حقہ پلانے والی پیشہ ور عورت - ساقن

بھَوَن = گھر

بھونہ = بھوں

بی = بھی

بیاکل = بے کل - بے چین - بے قرار

بیچ = میں

بیچوں = بے چون - بے مثل - بے نظیر - جس کے بارے میں یہ نہ کہہ سکیں کہ وہ کیسا ہے - یہ خدا کی ایک صفت ہے -

بے دل = افسردہ۔ مغموم۔ خواہشوں کو مارے ہوئے۔
بے دماغی = نازک مزاجی۔ زود رنجی
بَیراگ = جوگ۔ فقیری
بَیراگی = فقیر۔ جوگی، تارکِ دنیا
بیڑا = پان کی گلوری
پاپ = گناہ۔ بدی۔ عذاب
پاپی = گنہ گار۔ ظالم۔ بدخو
پات = پتا۔ پتی
پاتی = پتری، چھٹی۔ خط
پاک بازی = بے گناہی۔ صاف دلی۔ بے غرض عشق
پال = چھولداری
پالی = پرندوں یعنی بلبلوں، تیتروں، بٹیروں اور مرغوں کے لڑانے کی جگہ۔ چڑیوں کی لڑائی۔
پانی ہونا = شرمندہ ہونا۔ اب اس معنی میں 'پانی پانی ہونا' بولتے ہیں۔
پائے زیب = پازیب۔ پاؤں کا ایک زیور جس میں بہت سے گھنگھرو لگے ہوتے ہیں
پچھوٹے = پاجی۔ کمینے لوگ
پچھان = پہچان
پچ لڑی = گلے میں پہننے کا ایک زیور جس میں موتی یا سونے کے دانوں کی پانچ لڑیاں ہوتی ہیں۔
پچھاننا = پہچاننا
پَران = جان، روح۔ دم۔ سانس

پربھوؔ = مالک - خداوند- خدا

پرکاس = ظاہر - مشہور

پریت = محبت

پریتم = محبوب - معشوق - بہت پیارا

پکھڑی = پنکھڑی

پگ = پانو - پیر - قدم

پل = وقت کا بہت چھوٹا حصہ - چوبیس سکنڈ کا وقفہ - ایک گھڑی کا ساٹھواں حصہ

پل پل = ہر لمحہ

پلید = نجس - ناپاک - گندہ

پنڈا = بدن - جسم

پنجۂ مرجان = مونگا جس کی شاخیں آدمی کے پنجے سے مشابہ ہوتی ہیں -

پنجۂ مہر = آفتاب جو اپنی کرنوں کے ساتھ پنجے سے مشابہت رکھتا ہے -

پنگھٹ = پانی بھرنے کا گھاٹ پانی بھرنے کی جگہ -

پنہار = پانی بھرنے والی

پوستی = جو پوست یعنی خشخاش کے ڈنوڈوے بیں کر ان کا پانی نشے کے لیے پیتا ہو - افیونی

پھاندا = پھندا

پہنچی = کلائی میں پہننے کا ایک زیور

پیتم = بہت ہی پیارا - محبوب - معشوق - پریتم

پینجن = جھانجھ - پانو میں پہننے کا ایک زیور - جو چلنے سے چھن چھن بولتا ہے -

تپ = تپسیا - عبادت - ریاضت

تپسی = ریاضت کرنے والا

تا = تھا

تدی = تب ہی۔ تبھی

تُرک = مسلمان۔ گنوار ہندو عورتیں بعض مقاموں میں مسلمان کو تُرک کہتی ہیں۔

تُرک تازی = تاخت۔ حملہ

تِل = وقت کا بہت چھوٹا حصّہ۔ لمحہ

تِل تِل = ہر لمحہ

تلیں = تلے۔ نیچے

تُمن = تم۔ تم کو

تمبو = خیمہ

تنک = ذرا۔ تھوڑا۔ کچھ۔ ذرا سا۔ تھوڑا سا

تھتھانا = منھ پھُلانا۔ خفگی ظاہر کرنا۔ ناراضی دکھانا

تی = تھی

تیغِ جنوبی = دکن کی بنی ہوئی تلوار

تیں = تو

ٹچا = کم ظرف۔ چھچھورا۔ لچا۔ شہدا۔ پاجی۔ رزالہ۔ اوباش

ٹک = ذرا۔ تھوڑا۔ کچھ۔ ذرا سا۔ تھوڑا سا

ٹھٹھول = دل لگی۔ تمسخر۔ خوش طبعی

ٹھٹھولیاں = ٹھٹھول کی جمع

ٹھور = جگہ

جامہ زری = سنہری تاروں یا کلابتون کا بنا ہوا کپڑا

جانی = جان سے تعلق رکھنے والا۔ پیارا۔ محبوب

جَھَریا = جھجری - پانی رکھنے کا ایک مٹی کا برتن - جَھَریا میں الف تصغیر کا ہے۔
جعفری - گیندے کی ایک قسم - ہزارہ - ایک قسم کا لالہ بھی لالۂ جعفری کہلاتا ہے
جَگ = دنیا
جَل = پانی - مجازاً آنسو
جلی = روشن - ظاہر
جمدھر = کٹار کی طرح کا ایک ہتھیار
جوبن = حسن - جوانی
جوت = روشنی - اجالا - چمک
جوڑا = نظیر - مثل - جوڑ
جوگی = فقیر - تارکِ دنیا
جوہر = وہ چیز جو قائم بالذات ہو - یعنی جس کا وجود کسی دوسری چیز کے وجود پر منحصر نہ ہو۔
جہت = سبب - سمت
جُھرنا = سوکھنا - گھلنا - افسردہ ہونا - فکرمند ہونا - مرجھانا - کم زور ہونا۔
جیبھ = جیبھ - زبان
جیو = جی - جان
جیوں = جس طرح - جیسے - مثل - مانند
چرخِ فلک = رَہَٹ - چرخ - پونجا - ہنڈولا
چَرَن = قدم - پیر
چکھ = آنکھ - (سنسکرت چکشو)
چکور = تیتر کی قسم کی ایک چڑیا - ہندی شاعری میں چکور چاند کا عاشق مانا گیا ہے۔

چکورا = جس کو ایک حالت میں قرار نہ ہو۔ بے قرار۔ اوباش۔ آوارہ گرد
چکورے = چکورا کی جمع
چَنّدر
چَندُر } = چاند
چندنی = چاندنی
چوما = چُمّا۔ بوسہ۔ پیار
چھب = بناؤ سنگار۔ حسن۔ آرائش۔ زیبائش
چھبیلا = بناؤ سنگار کیے ہوئے حسین مرد
چھَل = مکر۔ فریب۔ دھوکا
چھَل بَل = شوخی۔ تیزی۔ طراری۔ چالاکی
چھل چھبیلا = چھیل چھبیلا۔ بناؤ سنگار کیے ہوئے بانکا جوان
چھَلنا = دھوکا دینا۔ فریب دینا۔
چھِن = ایک پل کا چوتھائی حصہ۔ چھ سکنڈ کا وقفہ۔ وقت کا سب سے چھوٹا پیمانہ
چھَنَد = مکر۔ فریب۔ جَعل۔ چھَل۔ کپٹ
چیرا
چیرہ } = ایک طرح کی رنگین پگڑی۔ مطلق پگڑی
چیری = چیلی۔ لونڈی
چیلی = کنیز۔ لونڈی
چیہر = پانو میں پہننے کا ایک زیور۔ چھڑا
حورِ عین = گورے رنگ کی۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھوں اور کالے بالوں والی عورتیں جو بہشت میں رہتی ہیں۔

کھٹکا = چھوٹا موٹا ڈنڈا - سونٹا ٹھینگا - کتکا - بھنگ گھوٹنے کا سونٹا - عضوِ خاص کی طرف اشارہ ہے یہ بازاری لفظ ہے۔

خنڈی = بیہودہ ہنسنے والی عورت - بے حیا - بے غیرت - قحبہ - فاحشہ

خودکام = خود غرض

دامن = بجلی - برق

دَدّ = درندہ

ڈَر = موتی - کان کی لو میں پہننے کا ایک زیور

دُرانا = چھپانا - پوشیدہ رکھنا

درپن = آئینہ

دَرَسن = درشن - دیدار - درشن

دِسنا = دکھائی دینا

دُکول = سن یا اسی کے ریشے کا بنا ہوا مہین کپڑا

دوارہ = دروازہ

دودامی = ایک عمدہ قسم کا مہین پھول دار سوتی کپڑا، جو مالوہ میں بنتا تھا۔

دولڑا = دو لڑیوں کا ہار

دھاڑ = گروہ - جتھا - انبوہ، مجمع - ہجوم

دھڑی (مسی کی) = مسی کی تہ جو عورتیں ہونٹوں پر جماتی ہیں

دھمک = دفعۃً - یک بارگی - اچانک

دیو = شیطان

دیوا = دیو - دیوتا

ڈانک = سونے چاندی کا ورق - تانبے کا نہایت باریک اور رنگین پتر۔

ڈگ = قدم۔
ڈگ ڈگ = قدم قدم۔ ہر قدم پر
ڈیرا = خیمہ۔ قیام گاہ۔ مسکن
راک = راکھ
راکھتا = رکھتا
راندی = نکالی ہوئی۔ رُدکی ہوئی۔ دُھتکاری ہوئی
راہ دار = گزربان۔ راستے کا محافظ۔ راستے کا محصول لینے والا
رتن = جواہرات
رجوع = واپسی۔ پلٹنا
رسیلا = رس بھرا۔ مزے دار۔ بانکا۔ وضع دار
رنگیلا = رنگین مزاج۔ عیاش طبع۔ طرح دار۔ خوش پوشاک۔ چھیل چھبیلا
روپ = صورت۔ شکل
روپا = چاندی
روح الامین = امانت دار فرشتہ۔ ملکِ مقرب۔ جبرئیل
روماولی = رویوں کی قطار جو پیٹ پر ناف سے اوپر کو جاتی ہے
ریکھ = ریخ۔ مِسّی کی کالی لکیریں جو دانتوں میں پڑ جاتی ہیں۔
رین = رات
زرخرید = زر سے خریدا ہوا۔ اپنا مول لیا ہوا
زمانہ سازی = دکھاوے کی باتیں کرنا۔ محبت کی جھوٹی نمائش۔
زنبق = ایک طرح کا سفید پھول۔ چمپا۔ کسی حسین کی پتلی اور ستواں ناک کو چمپے کی کلی سے تشبیہہ دیتے ہیں۔

زوج = شوہر
زہرا = روشن چہرے والی حضرت فاطمہؓ کا لقب
زَہْرہ = پتّا ۔ ہمت ۔ جرأت
ساجن = سجن ۔ محبوب ۔ معشوق
سار = مثل ۔ مانند
سالو = ایک گہرے سرخ رنگ کا مہین کپڑا ۔
سانجھ = شام ۔ جھٹپٹا وقت
سبی = سبھی (سب ہی)
سبن = سبھوں
سبھا = محفل ۔ بزم
سپاری = ڈلی ۔ چھالیا
سپند = اسپند ۔ کالادانہ ۔ ایک قسم کے بیج جو ہوا کو صاف کرنے اور نظرِ بد کا اثر دور کرنے کے لیے جلائے جاتے ہیں
ستی = سے
سٹنا = ڈالنا ۔ گرانا ۔ پھینکنا
سجن = معشوق ۔ محبوب
سجیلا = جامہ زیب حسین ۔ بنا ٹھنا ۔ سجا سجایا ۔ خوش رو ، بانکا
سدھ = یاد ۔ خبر ۔ آگاہی ۔ ہوش
سدھ بدھ = خبر اور آگاہی ۔ سدھ کے معنی یاد ۔ خبر ۔ اور بدھ کے معنی ہیں عقل ۔ سُدھ بُدھ بھول جانا ۔ نہ لینا ، نہ رہنا وغیرہ ، بے خبری ، بے خودی ، بے ہوشی کے معنوں میں بولتے ہیں ۔

سرپنجہ ہا = انگلیوں کے سرے
سُروپ = حسین خوب صورت
سریجن = محبوب. معشوق
سَکَل = سب. تمام. کل
سَمَندَر = ایک چھوٹا جانور جو آگ میں پیدا ہوتا ہی اور آگ ہی میں زندہ رہ سکتا ہی۔
سناں = برچھی ۔ برچھی کی انی یا نوک
سندر = خوب صورت
سندیسا = پیغام ۔ سندیس
سنگت = ٹولی ۔ جتھا ۔ گروہ ۔ مجمع صحبت
سنگ خارا = ایک قسم کا سخت پتھر
سوبھا = خوب صورتی
سودا = دیوانگی ۔ مالی خولیا
سوں = سے
سیتی = سے
سیس = سر
سیلی = بالوں یا ریشم یا کسی اور چیز کی ڈوری جو فقیر اپنی گردن میں ڈال لیتے ہیں۔
سَین = اشارہ ۔ آنکھ کا اشارہ ۔ چشمک ۔ غمزہ ۔ کرشمہ
سیں = سے
سیوا = خدمت ۔ بندگی ۔ پرستش
صاحب = مالک سردار
صد برگ = گیندا ۔ زرد رنگ کا مشہور پھول

صفا دار = صفائی والا ۔ صاف

صنم = بت ۔ مورت ۔ مجازاً معشوق

ظلمات = تاریکیاں ۔ اندھیرے ۔ وہ تاریکی جس کے اندر آب حیات کا چشمہ ہی

عَبیر = رنگین سفوف یا ابرک کا سفوف جو چہرے پر ملا جاتا ہی

عَرَض = وہ چیز جو قائم بالغیر ہو یعنی اُس کا وجود کسی دوسری چیز کے وجود پر موقوف ہو۔

علامہ = بہت جاننے والا ۔ بڑا عالم۔

عُمّان = سمندر

غفور = بخش دینے والا ۔ معاف کر دینے والا

غمام = ابر ۔ بادل

غُموم = غم کی جمع

غمیں = غمگین ۔ رنجیدہ

غول = بھوت ۔ پریت ۔ شیطان

فرید = اکیلا ۔ بے مثل ۔ لاجواب۔

فُندق = ایک پھل جو جھربیری کے بیر کے برابر اور بہت سرخ ہوتا ہی ۔ مجازاً مہندی لگے ہوئے انگلیوں کے سرے

فن ہونا ۔ کمال یا مہارت ہونا

قحبہ = فاحشہ بدکار عورت ۔ رنڈی

قلندر = درویش ۔ دنیوی تعلقات سے آزاد

کاچن = کاچھن ۔ کاچھی کی عورت ۔ ترکاری اور پھل بیچنے والی ہندو عورت۔

کالبُد = قالب جسم

کان پھول = کرن پھول ۔ کان کی لو میں پہننے کا ایک زیور

کپُول = گال - رخسار
کتھ = کتھا
کتھرانی = کھتری قوم کی عورت
کجلا = کاجل
کُچ = کمسن عورت کی چھاتی
کرسی نشین = ذی رتبہ - باعزت - مقبول و منظورِ عام
کریلے = کیجیے -
کڑوے بچن = تلخ کلام - کڑوے بول - ناگوار معلوم ہونے والی باتیں -
کسائی = قصائی - قصاب - گوشت بیچنے والا - جانوروں کو ذبح کرنے والا
کِلکلانا = شور کرنا - خوشی کی آواز نکالنا
کلولیاں = کلول کی جمع
کناری = پتلا لچکا جو کپڑوں کے کنارے پر ٹانکا جاتا ہے
کنج = کونہ - گوشہ
کنچن برن = سونے کے رنگ والی - کندنی رنگ والی
کنچنی = ناچنے والی عورت - طوائف رنڈی
کنک = سونا
کنول = ایک دریائی پودے کا پھول - اس کے بیج کو کنول گٹا کہتے ہیں اور جب اس کو بھون کر کھیل کر لیتے ہیں تو وہ تال مکھانا کہلاتا ہے -
کنول باؤ = یرقان - کانور - ایک مرض جس میں مریض کی آنکھیں زرد ہو جاتی ہیں
کنونٹا = کنونڈا - شرمندہ - احسان مند - شرمندۂ احسان - بدنام ، داغی
کھنجن = ممولا - ایک موسمی چڑیا بہت خوب صورت ہوتی ہے اور جس کی چال

بہت دل کش ہوتی ہے۔ حسین عورت کی آنکھ اور چال کو اس سے تشبیہ دینا سنسکرت اور ہندی شاعری میں عام ہے۔

کہوں = کہیں

کیتے = کتنے

کیسری = زعفرانی ۔ زرد

گابھا = نیا پتا جو سفید اور بہت ملائم ہوتا ہے۔ کیلے کے تنے کا اندرونی حصہ جو بہت نرم ہوتا ہے۔

گُت = حالت

گت = چال ۔ رفتار (سنسکرت گتی)

گگریا = گگری ۔ گھڑا ۔ چھوٹا گھڑا ۔ گگریا میں الف تصغیر کا ہے۔

گل = گلا ۔ گردن ۔ حلق

گُلال = ایک لال رنگ کا سفوف جو ہولی میں چہرے پر ملا جاتا ہے

گلِ صد برگ ۔ گیندے کا پھول

گلنار = انار کا پھول ۔ شوخ سرخ رنگ

گُمانی = مغرور

گوش کرنا = سننا

گھٹ = جی ۔ دل

گھڑی = چوبیس منٹ کا وقفہ تھوڑا سا وقت

لال = سرخ ۔ لعل ۔ گونگا

لٹا = لٹ

لٹاں = لٹیں ۔ لٹ کی جمع

لٹک = لچک ۔ لوچ ۔ جُھکاؤ ۔ جسم کی دل کش حرکت

لٹک کر چلنا = جھوم جھوم کر چلنا ۔ مستانہ رفتار سے چلنا ۔ ناز و انداز کے ساتھ چلنا

لِقا = چہرہ ۔ صورت

لگ = تک

لیوں = لوں

مَت = عقل ۔ فہم ۔ ادراک

مَتا = مست

مردُود = رد کیا ہوا ۔ نکالا ہوا ۔ دتکارا ہوا

مُرکی = کانوں کی لَو میں پہننے کی پھول دار کیل

مِرگ = ہرن

مِرگ چھالا = ہرن کی بالوں سمیت کھال جس کا جوگی اور سادھو سنت بستر بناتے ہیں ۔ یہ درویشی کی علامت ہے ۔

مَڑھی = منڈھی ۔ فقیر کی جھونپڑی ۔ کُٹی

مستمند = غریب ۔ بے چارہ ۔ پریشان حال مصیبت زدہ

معادِن = معدن کی جمع ۔ کانیں ۔ معدنیات ۔ کانوں سے نکلنے والی چیزیں

مُکھ ۔ مونھ ۔ چہرہ ۔ صورت

مِلاپ = میل ۔ ملنا ۔ ملاقات ۔ وصل

مَن ہَرن = دل کو چھین لینے والا

مُنے = میں

موہن = موہ لینے والا۔ لبھا لینے والا

میان = میان۔ کمر

میت = مِتر۔ دوست۔ یار۔ آشنا

میتر = مِتر۔ دوست۔ یار۔ آشنا

ناجنس = کمینہ۔ پاجی۔ رذیل۔ سفلہ۔ نیچ۔ غیر جنس۔ بے جوڑ۔ ناموافق

نار } عورت
ناری }

نپٹ = بہت۔ بالکل

نت = ہمیشہ

نٹوا = طفلِ بازی گر۔ ایک طرح کے رقاص۔ جو علم موسیقی کی کتابوں کے موافق رقص کرتے ہیں۔

نٹھر = جو دوسروں کی تکلیف سے متاثر نہ ہو۔

نٹھرائی = بے رحمی۔ بے مروتی

نچنتے = آوارہ گرد۔ مارے مارے پھرنے والے

نس = نِشا۔ رات

نسرین = چمیلی کا پھول

نص = وہ آیتِ قرآنی جو وضاحت کے ساتھ معنی مقصود پر دلالت کرتی ہو۔

نکویاں = اچھے لوگ۔ خوب صورت لوگ (نکو کی جمع)

نگر = شہر

نمانا = جھکا ہوا۔ عاجز۔ بیچارہ

نچنت = نشچنت - بے فکر - بے کھٹکے مطمئن

نیارا = الگ - جدا - نرالا -

نیاری = نرالی - انوکھی - عجیب - سب سے الگ

نین = آنکھ - آنکھیں - موزونیت کی ضرورت سے نَیْن کو نَیَن بھی باندھا جاتا ہے -

والِہ = عاشق - فریفتہ

ودُود = دوست رکھنے والا - محبت کرنے والا

وَر = بہتر - غالب - زبردست

وِرْد کرنا = وظیفہ پڑھنا - جپنا - رٹنا

وِسے = اُسے - اُس کو

وصی = جس کو وصیت کی جائے - رسول کا وصی وہ شخص ہوتا ہے - جس کو رسول اسرارِ نبوت تعلیم کر دیتا ہے اور وہ رسول کے بعد رسالت کے فرائض انجام دیتا ہے مگر خود رسول نہیں ہوتا - یعنی اس کے پاس وحی نہیں آتی ہے -

وضیع = کمینہ - نیچ - پست درجے کا

وہ = وُہ

وِیر = بہادر - سورما - پہلوان

ہاموں = میدان - صحرا

ہَست = ہاتھ

ہِت = چاہ - محبّت

ہَت پھول = ہتھ پھول - ایک طرح کی پھلجھڑی

ہم قریں = ہم مرتبہ - برابر

ہمن = ہم - ہم کو - ہمارا

ہنڈول = ایک راگ کا نام

ہنڈولا = جھولا

ہوری = وہ عشق و محبت کے گیت جو ہولی کے زمانے میں کرشن جی کی طرف منسوب کرکے گائے جاتے ہیں

یار = عاشق

یاری لگنا = عشق ہونا

یو = یہ

(مطبوعہ دیال پرنٹنگ پریس دہلی)

دیوانِ تاباں

سید عبدالحیٔ تاباںؔ دہلوی کا یہ مجموعۂ کلام زبان و بیان کے لحاظ سے اور لطافت و سلاست کے اعتبار سے بہت دل چسپ اور پڑھنے کے قابل ہے۔ بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب کا مقدمہ بھی شروع میں ہے۔

قیمت مجلد دو رُپے چار آنے ؏؎ بلا جلد دو رُپے ؏

دیوانِ یقین

انعام اللہ خاں یقیںؔ کا یہ مجموعۂ کلام مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب نے بڑے سلیقے سے مرتب کیا ہے۔

قیمت بلا جلد ایک رُپیہ آٹھ آنے (عہ)
